كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

تفسیر ابن کثیرؒ

راس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ

مکتبہ قدوسیہ

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد دوم

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

www.islamiurdubook.blogspot.com

اشاعت —— 2006

اہتمام طباعت

ابوبکر قدوسی

قدوسیہ اسلامک پریس

مکتبہ قدوسیہ

Ph:042-7230585-7351124
Email: qadusia@brain.net.pk
www.quddusia.com

رحمان مارکیٹ ● غزنی سٹریٹ ● اردو بازار ● لاہور پاکستان

www.islamiurdubook.blogspot.com

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۶

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۷

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۸

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۹

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱۰

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱۱

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱۲

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱۳

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱۴

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورۃ المائدہ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئی تھی جو آپ پر سورۂ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے باز و ٹوٹ جائیں (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ سفر میں تھے' وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور اس پر سے اتر گئے (مسند احمد) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورت جو حضور پر اتری وہ سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے' حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں' میں حج کے لئے گیا۔ وہاں حضرت اماں عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا' تم سورۂ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا' ہاں' فرمایا' سنو سب سے آخری یہی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ' حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ' حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے اماں محترمہؓ سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضورؐ کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے۔ یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۗ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ
اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰہَ
یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱﴾

رحمت و رحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اے ایمان والو عہد و پیمان پورے کیا کرو' تمہارے لئے مویشی چوپائے حلال کئے جاتے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ سنا دیئے جائیں گے مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا' یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے ○

ایک بے دلیل روایت اور وفائے عہد کی تاکید: ☆☆ (آیت:۱) ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا! آپ مجھے خاص نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا ''جب تو قرآن میں لفظ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا سن تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جا' کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہوگی۔'' حضرت زہریؒ فرماتے ہیں ''جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے' اس حکم میں نبی ﷺ بھی شامل ہیں'' حضرت فیثمہؒ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں بجائے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کے یٰٓاَیُّھَا الْمَسَاکِیْنُ ہے۔ ایک روایت ابن عباسؓ کے نام سے بیان کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں لفظ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ہے' ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علیؓ ہیں' اصحاب رسول میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے' بجز حضرت علی بن ابوطالبؓ کے کہ انہیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا' یاد رہے کہ یہ اثر بالکل بے دلیل ہے۔ اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے' اس کی روایت منکر ہے۔ میں کہتا ہوں' اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بزیمہ گو ثقہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا شیعہ ہے۔ پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو' کیسے قبول کی جا سکے گی؟ یقیناً وہ اس میں ناقابل قبول ٹھہرے گا' اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام صحابہؓ کو بجز حضرت علیؓ کے ڈانٹا گیا' اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا' پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علیؓ ہی نے کیا اور پھر یہ فرمان اترا کہ ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا الخ' لیکن یہ غلط ہے کہ اس آیت میں صحابہؓ کو ڈانٹا گیا' بلکہ دراصل یہ حکم بطور وجوب کے تھا ہی نہیں' اختیاری امر تھا۔ پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا۔ پس حقیقتاً کسی سے اس کے خلاف عمل سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورۂ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہؓ کو ڈانٹا گیا ہے جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا' دراصل سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باقی تمام صحابہؓ کا مشورہ یہی تھا۔ پس یہ ڈانٹ بجز حضرت عمرؓ کے باقی سب کو ہے۔ جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ پس یہ تمام باتیں کھلی دلیل ہیں اس امر کی کہ یہ اثر بالکل ضعیف اور بودا ہے' واللہ اعلم۔

ابن جریر میں حضرت محمد بن سلمہؒ فرماتے ہیں' جو کتاب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں نجران بھیجا تھا' اس کتاب کو میں نے ابوبکر بن حزم کے پاس دیکھا تھا اور اسے پڑھا تھا' اس میں اللہ اور رسول کے بہت سے احکام تھے اس میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ تک بھی لکھا ہوا تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزمؓ کے پوتے حضرت ابوبکر بن محمدؒ نے فرمایا' ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی یہ کتاب ہے جو آپؐ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے کے لئے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا' اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی' اس میں عہد و پیمان اور حکم احکام کا بیان ہے۔ اس میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد لکھا ہے یہ کتاب ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے' اے ایمان والو وعدوں کو اور عہد و پیمان کو پورا کرو' یہ عہد محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کے لئے ہے جبکہ انہیں یمن بھیجا۔ انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان' خلوص اور نیکی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ''عقود سے مراد عہد ہیں۔'' ابن جریر اس پر اجماع بتلاتے ہیں خواہ قسمیہ عہد و پیمان ہو یا اور وعدے ہوں' سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی

مروی ہے کہ "عہد کو پورا کرنے میں اللہ کے حلال کو حلال جاننا' اس کے حرام کو حرام جاننا' اس کے فرائض کی پابندی کرنا' اس کی حد بندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے' کسی بات کا خلاف نہ کرو' حد کو نہ توڑو' کسی حرام کام کو نہ کرو' اس پر سختی بہت ہے۔ پڑھو آیت وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ کو سُوْٓءُ الدَّارِ تک۔" حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں "اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حلال کو' اس کے حرام کو' اس کے وعدوں کو' جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آ جاتے ہیں پورا کرنا اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ فرائض کی پابندی' حلال حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ" حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں "یہ چھ عہد ہیں' اللہ کا عہد' آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد' شرکت کا عہد' تجارت کا عہد' نکاح کا عہد اور قسمیہ وعدہ"۔ محمد بن کعبؒ کہتے ہیں "پانچ ہیں جن میں جاہلیت کے زمانہ کی قسمیں ہیں اور شرکت تجارت کے عہد و پیمان ہیں' جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں' وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں۔" امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "خرید فروخت کرنے والوں کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں" صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ "جب دو شخصوں نے خرید فروخت کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے' یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید وفروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے' پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے' مویشی چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں یعنی اونٹ' گائے' بکری۔ ابو الحسنؒ' قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں "عرب میں ان کی لغت کے مطابق بھی یہی ہے" حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو وہ مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابو داؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اونٹنی' گائے' بکری ذبح کی جاتی ہے' ان کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھا لیں یا پھینک دیں۔ آپ نے فرمایا "اگر چاہو کھا لو' اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔" امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ ابو داؤد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں "پیٹ کے اندر والے بچے کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔"

پھر فرماتا ہے مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "اس سے مطلب مردار' خون اور خنزیر کا گوشت ہے۔" حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں "مراد اس سے از خود مرا ہوا جانور اور وہ جانور ہے جس کے ذبیح پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو" پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ کا فرمان حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ہے یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر منسوب و مشہور کی جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے' اور جو کسی ضرب سے مر جائے' اور جو اونچی جگہ سے گر کر مر جائے' اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے اور جسے درندہ کھانے لگے' پس یہ بھی گو مویشیوں چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں' اسی لئے اس کے بعد فرمایا' لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔ جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے' وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اس میں سے کوئی چیز حلال نہیں' اسی لئے اس سے استدراک نہیں کیا گیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا'

پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال ہیں لیکن وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ جو بعض احوال میں حرام ہیں' اس کے بعد کا جملہ حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔ مراد انعام سے عام ہے۔ بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں جیسے اونٹ' گائے' بکری اور بعض وہ جو جنگلی ہیں جیسے ہرن' نیل گائے اور جنگلی گدھے۔ پس پالتو جانوروں میں سے تو ان کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے "ہم نے تمہارے لئے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں۔ پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو" کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں' اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے' اللہ وہ حکم فرماتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا
الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ
تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ نہ ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پٹے والے جانوروں کی جو کعبے کو جا رہے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں۔ ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو' جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا' ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گذر جاؤ۔ نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو' گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہا کرو' بے شبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ○

(آیت:۲) ایماندارو! رب کے نشانوں کی توہین نہ کرو یعنی مناسک حج' صفا' مروہ' قربانی کے جانور' اونٹ اور اللہ کی حرام کردہ ہر چیز' حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرو' ان کا ادب کرو' ان کا لحاظ رکھو' ان کی عظمت کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی نافرمانیوں سے بچو۔ اور ان مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو۔ جیسے ارشاد ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اے نبی لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا گناہ ہے۔ اور آیت میں ہے' مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع میں فرمایا "زمانہ گھوم گھام کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے' جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔ تین تو پے در پے ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جسے قبیلہ مضر رجب کہتا ہے جو جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان ہے۔" اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔

آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ ان "مہینوں میں لڑائی کرنا حلال نہ کر لیا کرو۔" لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

ہے فَاِذَا انسَلَخَ الاَشهُرُ الحُرُمُ فَاقتُلُوا المُشرِكِينَ حَيثُ وَجَدتُّمُوهُم یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گذر جانا ہے' جب وہ چار مہینے گذر چکے جو اس وقت تھے تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا بلکہ امام ابو جعفرؒ تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا' ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے'' آپ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اجماع ہے کہ ''اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تب بھی اس کے لئے امن وامان نہ سمجھی جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو۔'' اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ هَدٰی اور قَلَائِد کی بے حرمتی بھی مت کرو۔ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنے سے باز نہ رہو کیونکہ اس میں اللہ کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لئے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجو' ان کے گلے میں بطور نشان پٹا ڈالنے سے بھی نہ رکو تا کہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور اللہ کے لئے اللہ کی راہ کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے گا بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی اس طرح اللہ کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں تمہیں اس کی نیکی پر بھی اجر ملے گا کیونکہ جو شخص ہدایت کی طرف دوسروں کو بلائے' اسے بھی وہ اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔

آنحضرت ﷺ جب حج کے لئے نکلے تو آپ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گذاری' صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے' پھر غسل کر کے خوشبو ملی اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے لئے آپ نے بہت خوش رنگ' مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اپنے ساتھ لئے تھے' جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص اللہ کے احکام کی تعظیم کرے' اس کا دل تقوے والا ہے۔ بعض سلف کا فرمان ہے کہ ''تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے۔'' حضرت علی بن ابو طالبؓ فرماتے ہیں ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں'' (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں ''جاہلیت کے زمانے میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں اور اون کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے' اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پیٹتے نہ تھے۔''

حضرت ابن عباسؓ سے بروایت حضرت مجاہدؒ مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں'' آیت قلائد اور یہ آیت فَاِن جَآءُوكَ فَاحكُم بَينَهُم اَو اَعرِض عَنهُم لیکن حضرت حسنؒ سے جب سوال ہوتا ہے کہ ''کیا اس سورت میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے؟'' تو آپ فرماتے ہیں ''نہیں''۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ ''وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے انہیں امن ملتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرما دیا۔'' پھر فرماتا ہے ''جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں' ان سے لڑائی مت لڑو۔ یہاں جو آئے' وہ امن میں پہنچ گیا' پس جو اس کے قصد سے چلا ہے' اس کی نیت اللہ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضامندی کی جستجو ہے۔ تو اب اسے ڈر خوف میں نہ رکھو' اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو۔'' بعض کا قول ہے کہ ''اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مراد تجارت ہے۔'' جیسے اس آیت میں ہے لَيسَ عَلَيكُم جُنَاحٌ اَن تَبتَغُوا فَضلًا مِّن رَّبِّكُم یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ رضوان سے مراد حج کرنے میں اللہ کی مرضی کو تلاش کرنا ہے۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں ''یہ آیت حطیم بن ہند بکری کے

بارے میں نازل ہوئی ہے اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آ رہا تھا تو بعض صحابہؓ کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔' امام ابن جریرؒ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ 'جو مشرک مسلمانوں کی امان لیے ہوئے نہ ہو تو گو وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے' اسے قتل کرنا جائز ہے' یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لئے جا رہا ہے اور شرک و کفر کے ارادے سے قصد کرتا ہو تو اسے روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' پہلے مومن و مشرک سب حج کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت تھی کہ کسی مومن کافر کو نہ روکو لیکن اس کے بعد یہ آیت اتری کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں اور وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں گے۔ اور فرمان ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ یعنی مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں۔ اور فرمان ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں "وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ" منسوخ ہے' جاہلیت کے زمانہ میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا' پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا۔ اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے' تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں' پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔' ابن جریرؒ کا قول ہے کہ 'قلائد سے مراد یہی ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے۔ عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آ رہی تھی اور جو اس کا خلاف کرتا تھا' اسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کی ہجو کرتے تھے'۔ پھر فرماتا ہے 'جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو'۔ احرام میں شکار کی ممانعت تھی اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہوگئی جو حکم ممانعت کے بعد ہو' اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے اصل میں تھا یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو ممانعت کے بعد کا امر بھی وجوب کے لئے ہوگا اور اسی طرح مستحب و مباح کے بارے میں۔ گو بعض نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے' صرف مباح ہونے کے لئے ہی ہوتا ہے لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں۔ پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں' وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور بعض علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تمہیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر اللہ کے حکم سے آگے بڑھ کر ظلم و زیادتی پر نہ اتر آنا بلکہ تمہیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اسی طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے "تمہیں کسی قسم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو' عدل ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے"۔ بعض سلف کا قول ہے کہ گو کوئی تجھ سے تیرے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہئے کہ تو اس کے بارے میں اللہ کی فرمانبرداری ہی کرے۔ عدل ہی کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہے۔" حضورؐ کو اور آپ کے اصحابؓ کو جبکہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا' اسی رنج و غم میں صحابہؓ واپس آ رہے تھے۔ جو مشرقی مشرک مکہ جاتے ہوئے انہیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہوں نے ہمیں روکا' ہم بھی انہیں ان تک نہ جانے دیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ شنان کے معنی بغض کے ہیں بعض عرب اسے شنان بھی کہتے ہیں

لیکن کسی قاری کی یہ قرات مروی نہیں' ہاں عربی شعروں میں شنئنان بھی آیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے' بر کہتے ہیں نیکیوں کے کرنے کو اور تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کے چھوڑنے کو۔ اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے کو۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں' جس کام کے کرنے کا اللہ کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے' یہ اثم ہے اور دین میں جو حدیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں' جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری نے مقرر فرمائے ہیں' ان سے آگے نکل جانا عُدوَان ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے ''اپنے بھائی کی مدد کر' خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو'' تو حضورؐ سے سوال ہوا کہ ''یارسول اللہ مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کرنا ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟'' فرمایا ''اسے ظلم نہ کرنے دو ظلم سے روک لو یہی اس وقت اس کی مدد ہے'' - یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے ''جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور دین کے حوالے سے ان کی ایذاؤں پر صبر کرے' وہ ان مسلمانوں سے بڑے اجر والا ہے جو نہ لوگوں سے ملے جلے' نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے''۔

مسند بزار میں ہے اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ یعنی ''جو شخص کسی بھلی بات کی دوسرے کو ہدایت کرے' وہ اس بھلائی کے کرنے والے جیسا ہی ہے'' امام ابوبکر بزارؒ اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے۔'' لیکن میں کہتا ہوں اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے' اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں گے اور اس کی تابعداری کریں گے لیکن ان کے ثواب میں سے گھٹا کر نہیں اور جو شخص کسی برائی کی طرف بلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے' ان سب کو جو گناہ ہوگا' وہ سارا اس اکیلے کو ہوگا۔ لیکن ان کے گناہ گھٹا کر نہیں۔ طبرانی میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تاکہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے' وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔''

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳﴾

تم پر مردار حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچے سے گر کر مرا ہو اور جو کسی ٹکر سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اگر اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں' اور جو پرستش گاہوں پر چڑھایا گیا ہو' تم پر حرام کیا جاتا

ہے۔قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنا' یہ سب بدترین گناہ ہیں۔آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے۔خبردار تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہا کرنا' آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تمہیں اپنا انعام بھرپور دے دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہو گیا۔پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے ○

حلال وحرام کی وضاحتیں: ☆☆ (آیت:۳) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے'' جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے' یہ خبران چیزوں کے نہ کھانے کے حکم میں شامل ہے'' میتہ وہ ہے جو از خود اپنے آپ مر جائے' نہ تو اسے ذبح کیا جائے' نہ شکار کیا جائے۔اس کا کھانا اس لئے حرام کیا گیا کہ اس کا وہ خون جو مضر ہے' اسی میں رہ جاتا ہے۔ذبح کرنے سے تو بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کے لیے مضر ہے' ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر مچھلی نہیں۔کیونکہ موطا مالک' مسند شافعی' مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا' اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔اور اسی طرح ٹڈی بھی گو خود ہی مر گئی ہو' حلال ہے۔اس کی دلیل کی حدیث آ رہی ہے۔

دم سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں ہاں' لوگوں نے کہا وہ تو خون ہے' آپ نے فرمایا' ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت ذبح بہا ہو۔حضرت عائشہؓ بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے۔امام شافعیؒ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہمارے لئے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں' مچھلی' ٹڈی' کلیجی اور تلی۔یہ حدیث مسند احمد' ابن ماجہ' دارقطنی اور بیہقی میں بھی بروایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مروی ہے اور یہ ضعیف ہیں' حافظ بیہقی فرماتے ہیں'' عبدالرحمان کے ساتھ ہی اسے اسماعیل بن ادریس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے۔'' سلیمان بن بلالؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ ہیں بھی ثقہ لیکن اس روایت کو بعضوں نے ابن عمرؓ پر موقوف رکھا ہے۔

حافظ ابوزرعہ رازیؒ فرماتے ہیں' زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ابن ابی حاتم میں حضرت سدی بن عجلانؓ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں۔میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا' اتفاقاً ایک روز وہ ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آ بیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے' آ و سدی تم بھی کھا لو' میں نے کہا۔تم غضب کر رہے ہو۔میں تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس کا کھانا ہم سب پر حرام کرتے ہیں تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہو گئے اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ الخ' پڑھ کر سنا دی' یہ روایت ابن مردویہ میں بھی ہے۔اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے' ایک دن جبکہ میں سخت پیاسا ہوا اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے' تھوڑا سا پانی پلا دو' لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا' بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے' میں غمناک ہو کر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کمبل منہ پر ڈال اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا' اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لئے ہوئے اور اس میں بہترین خوش ذائقہ مزیدار پینے کی چیز لئے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا۔میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا' وہیں آنکھ کھل گئی تو اللہ کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج

تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف ہی نہیں ہوئی' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پیاس ہی نہیں لگی۔ یہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے' تمہارا مہمان بن کر آیا ہے' اتنی بے رخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی ہم اسے نہ دیں۔ چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے۔ میں نے کہا' اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں' مجھے میرے رب نے کھلا پلا دیا' یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا' اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اعشی نے اپنے قصیدے میں کیا ہی خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب بھی نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر' صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کر' لَحْمُ الْخِنْزِیر حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو' لفظ لَحْم شامل ہے اس کے تمام اجزا کو جس میں چربی بھی داخل ہے۔ پس ظاہریہ کی طرح تکلفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں' کہ وہ دوسری آیت میں سے فَاِنَّهٗ رِجْسٌ لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں آ جائیں۔ درحقیقت یہ لغت سے بعید ہے۔ مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں' صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے۔ صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو۔ لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے ''شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے۔ خیال کیجئے کہ صرف چھونا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے' پھر کھانے کے بے حد برا ہونے میں کیا شک رہا؟'' اور اس میں دلالت ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو خواہ چربی ہو خواہ اور۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی ہے' تو پوچھا گیا کہ ''یا رسول اللہ مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟'' وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے' کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا ''نہیں! نہیں! وہ حرام ہے۔'' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابوسفیان نے ہرقل سے کہا ''وہ (نبیؐ) ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے۔'' وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کر دیا کہ وہ اسی کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے' پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے' خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا' ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے' خواہ جان بوجھ کر خواہ بھولے چوکے سے' وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورہ انعام میں آئے گا۔ حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں ''حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہیں' کسی وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) اور اللہ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنو اسرائیل کے گنہگاروں کے گناہوں کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ وہ دوبارہ حلال کر دی گئیں لیکن بنو اسرائیل نے آپ کو سچا نہ جانا اور آپ کی مخالفت کی'' (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔

حضرت علیؓ جب کوفے کے حاکم تھے' اس وقت ابن نائل نامی قبیلہ بنو رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا' فرزدق کے دادا غالب کے مقابل ہوا اور یہ ٹھہری کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کی کوچیں کاٹیں گے' چنانچہ کوفے کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھاوے سناوے اور فخریہ ریاکاری کے لئے دونوں اس میں مشغول ہو گئے۔ کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آنے لگے۔ اتنے میں جناب علی مرتضیٰؓ رسول کریم ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو یہ گوشت نہ کھانا۔ یہ جانور ما اھل بھا

لغیر اللہ میں شامل ہیں- (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے- ہاں اس کی صحت کی شاہد وہ حدیث ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کوچیں کاٹنے سے ممانعت فرما دی' پھر ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباسؓ پر وقف کیا ہے- ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرما دیا جو آپس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں- مُنۡخَنِقَة جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے عمداً گلا گھونٹ کر گلا مروڑ کر اسے مار ڈالا ہو' خواہ ازخود اس کا گلا گھٹ گیا ہو مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا' پھندا گلے میں آ پڑا اور کھنچ کھچاؤ کرتا ہوا مر گیا- پس یہ حرام ہے- مَوۡقُوۡذَةُ وہ ہے جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی' لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھاری دار نہیں اور اسی سے وہ مر گیا' تو وہ بھی حرام ہے- جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو لٹھ سے مار ڈالتے' پھر کھاتے' قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتلایا-

صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے' اسے نہ کھا- پس آپ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس میں جسے چوڑائی کی جانب سے لگا ہو' فرق کیا- اول کو حلال اور دوسرے کو حرام- فقہا کے نزدیک بھی یہ مسئلہ متفقہ ہے- ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام- امام شافعیؒ کے اس میں دونوں قول ہیں' ایک تو حرام ہونا اوپر والی حدیث کو سامنے رکھ کر' دوسرے حلال کرنا کتے کے شکار کی حلت کو مدنظر رکھ کر- اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو-

(فصل) علماء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا' زخمی نہیں کیا تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں- ایک تو یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں فَكُلُوۡا مِمَّآ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں' تم انہیں کھا سکتے ہو- اسی طرح حضرت عدیؓ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں- امام شافعیؒ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کی صحت کی ہے' جیسے نوویؒ اور رافعیؒ مگر میں کہتا ہوں کہ گو یوں کہا جاتا ہے لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا- ملاحظہ ہو کتاب الام اور مختصراً ان دونوں میں جو کلام ہے' وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے- پس دونوں فریقوں نے اس کی توجیہہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا- ہم تو بصد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے- گو ان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں اور نہ کسی کی مضبوط رائے۔

ابن الصباغ نے امام ابوحنیفہؒ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا- اور امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسیؓ' حضرت ابوہریرہؓ' حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال پائے نہیں جاتے- یہ صرف اپنا تصرف ہے- واللہ اعلم- دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے' مزنیؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ابن صباغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے' واللہ اعلم- اور اسی کو روایت کیا ہے ابو یوسفؒ اور محمد بن ابوحنیفہؒ نے اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ٹھیک ہونے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے- واللہ اعلم- اس لئے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے- ابن الصباغ نے

حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ انہوں نے کہا' یارسول اللہ ہم کل دشمنوں سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا' جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ کا نام ذکر کیا جائے' اسے کھالیا کرو (بخاری و مسلم) یہ حدیث گو ایک خاص موقعہ کے لئے ہے لیکن حکم عام الفاظ کا ہوگا' جیسے کہ جمہور علماء اصول و فروع کا فرمان ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ تبع جو شہد کی نبیذ سے ہے' اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔

پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا' اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص صورت سے ذبح کرنے کا ہے لیکن جواب کے الفاظ اسی اور اس کے سوا کی عام صورتوں کو شامل ہیں' اللہ کے رسولؐ کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت' اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجئے کہ کتے کے صدمے سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ یا تھپڑ کی وجہ سے جس شکار کا دم نکل جائے' ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا' پس اس حدیث کے مفہوم کی بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا' ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں' اس لئے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا۔ ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا جس سے ذبح کیا جائے۔ اسی لئے حضورؐ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ کی دلالت جنس مستثنیٰ منہ پر ہوا کرتی ہے ورنہ متصل نہیں مانا جا سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح کا ہی تھا تو اب کوئی دلالت تمہارے قول پر باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کے جواب کے جملے کو دیکھو۔ آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر نام اللہ بھی لیا گیا ہو' اسے کھالو۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔ ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے جو دانت اور ناخن کے سوا ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے۔ دوسرا مسلک جو مزنیؒ کا ہے' وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آ چکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے تو نہ کھاؤ اور اگر اس نے اپنی دھار اور انی سے زخم کیا ہے' پھر مرا ہے تو کھالو۔ اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں۔ پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہوگا گو سبب جداگانہ ہوں۔ جیسے کہ ظہار کے وقت آزادگی گردن جو مطلق ہے' محمول کی جاتی ہے۔ قتل کی آزادگی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بہت بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدے کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجہ اپنے ثقل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ تیر جب اپنی چوڑائی سے لگ کر شکار کو مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا کیونکہ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے۔ جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے۔ یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک رکھیں' اس کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے' یہ عام ہے' شامل ہے اسے بھی جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی' لیکن جس صورت میں اس وقت بحث ہے' وہ یا تو

ٹکر لگا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا گلا گھونٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں' بہرصورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہوگی - اولاً تو یہ کہ شارع نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے - کیونکہ حضرت عدی بن حاتمؓ سے اللہ کے رسولؐ نے یہی فرمایا' اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہے' اسے نہ کھاؤ - جہاں تک ہمارا علم ہے' ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مرا ہوا تو شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکر لگا ہوا معتبر نہ ہو - پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے' اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہوگا' جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع بتلاتے ہیں -

دوسرے یہ کہ آیت فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں - تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ مقدم ہوتا ہے عموم غیر محفوظ پر - ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گذار کر لیجئے کہ اس طرح کا شکار میۃ کے حکم میں ہے' پس جس وجہ سے مردار حرام ہے' وہی وجہ یہاں بھی ہے تو یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں - ایک اور وجہ بھی سنئے کہ حرمت کی آیت حُرِّمَتْ الخ' بالکل محکم ہے' اس میں کسی طرح نسخ کا دخل نہیں' نہ کوئی تخصیص ہوئی ہے' ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہئے - یعنی فرمان باری تعالیٰ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے حلال کیا ہے - تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں - جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہئے - پس حدیث کو اس کے بیان کے لئے سمجھنا چاہئے اور اسی کی شہادت تیر کا واقعہ دیتا ہے' جس میں یہ بیان ہے کہ اس آیت میں یہ صورت واضح طور پر داخل ہے یعنی جبکہ وہ انی اور دھار تیزی کی طرف سے زخم کرے تو جانور حلال ہوگا' کیونکہ وہ طیبات میں آ گیا - ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان آ گیا کہ آیت تحریم میں کون سی صورت داخل ہے - یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی کی چوٹ سے ہوئی ہے' وہ حرام ہو گیا جسے کھایا نہ جائے گا - اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ آیت تحریم کا ایک فرد ہے' ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ' زور بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح ہے یا فطیح یعنی ٹکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں' ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے - اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی تفصیل بیان کر دی جاتی اور فرما دیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے' زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام - اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے - اس کی عادت یہ نہیں بلکہ عادت تو یہ ہے کہ اپنے پنجوں یا کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے' بہت کم کبھی کبھی شاذونادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے' اس لئے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کا حکم بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں میۃ' موقوذہ' متردیہ' نطیحہ کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر ہے' تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لئے الگ بیان کر دیا کہ وہ عموماً خطا کر جاتا ہے بالخصوص اس شخص کے ہاتھ سے جو قادر تیرانداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہو' اس لئے اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرما دیئے - واللہ اعلم - دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کئے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے' اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ - ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لئے ہی شکار کو روکا ہو - یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے' اس کا کھانا حلال نہیں -

حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت ابن عباسؓ سے یہی حکایت کیا جاتا ہے - حضرت حسنؒ' شعبیؒ اور نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ابو

حنیفہؒ اور ان کے دونوں اصحاب' اور احمد بن حنبلؒ اور مشہور روایت میں شافعیؒ بھی گئے ہیں- ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں علیؓ' سعدؓ' سلمانؓ' ابو ہریرہؓ' ابن عمرؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تاہم اسے کھا لینا جائز ہے بلکہ حضرت سعیدؓ حضرت سلمانؓ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ تو فرماتے ہیں' گو کتا آدھوں آدھ کھا گیا ہو تاہم اس شکار کا کھا لینا جائز ہے- امام مالکؒ اور شافعیؒ بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے کہ امام ابو منصور بن صباغ وغیرہ نے کہا ہے- ابوداؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھالے' گو اس نے بھی اس میں سے کھا لیا ہو اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے'' نسائی میں بھی یہ روایت ہے- تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا' اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھا لیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے- اس میں اتنی علت ہے کہ یہ موقوفاً حضرت سلمانؓ کے قول سے مروی ہے' جمہور نے عدیؓ والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابو عجلہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتلایا ہے- بعض علماء کرام نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کتے نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا' جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھا لیا- اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھالے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہتا کہ شاید کتا ابھی شکار کا سدھا ہوا نہیں' ممکن ہے اس نے اپنے لئے ہی شکار کیا ہو' بخلاف اس کے کہ کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے لئے ہی شکار دبوچا ہے- واللہ اعلم- اب رہے شکاری پرند تو امام شافعیؒ نے صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں- تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے' ہاں مزنیؒ کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھا لیا ہو تاہم وہ حرام نہیں- یہی مذہب ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کا ہے- اس لئے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے کھائے نہیں' تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لئے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے' پرندوں کے بارے میں نہیں- شیخ ابو علی افصاح میں فرماتے ہیں' جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں سے شکاری کتے نے کھا لیا ہو تو جس شکار میں سے شکاری پرند کھالے' اس میں دو وجوہات ہیں- لیکن قاضی ابو الطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے- کیونکہ امام شافعیؒ نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے- واللہ سبحانہ و تعالی اعلم-

مُتَرَدِّیَۃُ وہ ہے جو پہاڑی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو' وہ جانور بھی حرام ہے- ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں- قتادہؒ فرماتے ہیں' یہ وہ ہے جو کنویں میں گر پڑے' نَطِیحَہ وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے' گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو' بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا' یہ لفظ معنی میں مفعول یعنی منطوحہ کے ہے' یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیر تے کے آتا ہے جیسے عَیْنٌ کَحِیْلٌ اور کَفٌّ خَضِیْبٌ ان مواقع میں کَحِیْلَۃٌ اور خَضِیْبَۃٌ نہیں کہتے' اس جگہ تے اس لئے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے' جیسے عرب کا یہ کلام طَرِیْقَۃٌ طَوِیْلَۃٌ- بعض نحوی کہتے ہیں' تاء تانیث یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہو جائے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے- مَآ اَکَلَ السَّبُعُ سے مراد وہ جانور ہے جس پر شیر' بھیڑیا' چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے' اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگرچہ ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو تاہم وہ جانور بالا جماع حرام ہے- اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھا لیا کرتے تھے- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا- پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر

لو یعنی گلا گھونٹا ہوا' لٹھ مارا ہوا' اوپر سے گر پڑا ہو' سینگ اور ٹکر لگا ہو' درندوں کا کھایا ہو' اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ نام اللہ لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانور تمہارے لئے حلال ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ' سعید بن جبیرؒ' حسنؒ' اور سدیؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پا لو کہ چھری پھیرتے ہوئے وہ دم رگڑیں یا پیر ہلائیں یا آنکھوں کے ڈھیلے پھرائیں تو بیشک ذبح کر کے کھا لو۔ ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گرا پڑا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤس' حسن' قتادہ' عبید بن عمیر' ضحاک اور بہت سے حضرات رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی آنتیں نکل آئیں' فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے۔ اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہو گا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے تو میری رائے میں نہ کھانی چاہئے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں' سائل نے کہا درندے نے اس پر حملہ کیا اور کود کر اسے پکڑ لیا جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھائی جائے۔ یہ ہے امام مالکؒ کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے' اس لئے امام صاحب نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے' ان پر کوئی خاص دلیل چاہئے' واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ ''حضورؐ ہم کل دشمن سے لڑائی میں باہم ٹکرانے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں۔ کیا ہم بانس سے ذبح کر لیں؟'' آپؐ نے فرمایا ''جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے' اسے کھا لو' سوائے دانت اور ناخن کے' یہ اس لئے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔'' مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ ''ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے میں ہی ہوتا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے'' یہ حدیث ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہوں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ پرستش گاہیں کعبہ کے اردگرد تھیں۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں' ''یہ تین سو ساٹھ بت تھے' جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا' اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت کو ان بتوں پر بطور چڑھاوے چڑھاتے تھے'' پس اللہ تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا۔ اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک نے اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے اور اسی لائق ہے۔ اور اس جملہ سے بھی مطلب یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائے جائیں۔

آزلام سے تقسیم کرنا حرام ہے' یہ جاہلیت کے عرب میں دستور تھا انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے' ایک پر لکھا ہوا تھا افعل یعنی کر' دوسرے پر لکھا ہوا تھا لا تفعل یعنی نہ کر' تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں' ایک پر لکھا تھا' مجھے میرے رب کا حکم ہے' دوسرے پر لکھا تھا' مجھے میرے رب کی ممانعت ہے' تیسرا خالی تھا۔ اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے' اگر حکم ''کر'' نکلا تو اس کام کو کرتے۔ اگر ممانعت کا تیر نکلا تو باز آ جاتے۔ اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ

اندازی کرتے - ازلام جمع ہے زلم کی اور بعض زلم بھی کہتے ہیں - استسقام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے - قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنوئیں پر نصب تھا' جس کنویں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے' اس بت کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا - جس کام میں اختلاف پڑتا' یہ قریشی یہاں آ کر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اس پر جو لکھا پاتے' اسی کے مطابق عمل کرتے - صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مجسمے گڑے ہوئے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپؐ نے فرمایا' اللہ انہیں غارت کرے' انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی -

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم جب نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینے کو جا رہے تھے تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی - اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا - میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا کہ تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا' میں پھر نہ مانا - تیسری مرتبہ فال لینے کے لئے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی تیر نکلا لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کے لئے آپ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا' اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا' یہ حضورؐ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے اللہ نے اسلام سے مشرف فرمایا - ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پا سکتا جو کہانت کرے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے'' حضرت مجاہدؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعہ اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے - ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لئے مگر ان سے جوا بھی گاہے بگاہے کھیل لیا کرتے - واللہ اعلم - اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے اور فرمایا ہے ''ایمان والو! شراب' جوا' بت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں' تم ان سے الگ رہو تا کہ تمہیں نجات ملے' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے -'' اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے - اس کام کا کرنا فسق' گمراہی' جہالت اور شرک ہے - اس کی بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لو - اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو' مسند احمد -

بخاری اور سنن میں مروی ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہمیں رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے' اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے - آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡتَخِیۡرُكَ بِعِلۡمِكَ وَاَسۡتَقۡدِرُكَ بِقُدۡرَتِكَ وَاَسۡئَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ الۡعَظِیۡمِ فَاِنَّكَ تَقۡدِرُ وَلَا اَقۡدِرُ وَتَعۡلَمُ وَلَا اَعۡلَمُ وَاَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ اَللّٰھُمَّ اِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ ھٰذَا الۡاَمۡرَ خَیۡرٌ لِّیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَ دُنۡیَایَ وَ مَعَاشِیۡ وَ عَاقِبَةِ اَمۡرِیۡ فَاقۡدِرۡہُ لِیۡ وَیَسِّرۡہُ لِیۡ ثُمَّ بَارِكۡ لِیۡ فِیۡهِ وَاِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَ دُنۡیَایَ وَ مَعَاشِیۡ وَعَاقِبَةِ اَمۡرِیۡ فَاصۡرِفۡنِیۡ عَنۡهُ وَاصۡرِفۡهُ عَنِّیۡ وَاقۡدِرۡ لِیَ الۡخَیۡرَ حَیۡثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیۡ بِهٖ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بڑے فضل کا طالب ہوں - یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں - تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں - تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے - اے میرے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا میں آغاز

وانجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے تو تو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے میرے لئے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا کی زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر و برکت جہاں کہیں ہو مقرر کر دے پھر مجھے اسی سے راضی و رضامند کر دے۔ دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ ھٰذَا الْاَمْرَ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے مثلاً نکاح ہو تو ھٰذَا النِّکَاحَ سفر میں ہو تو ھٰذَا السَّفَرَ بیوپار میں ہو تو ھٰذَا التِّجَارَۃَ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ سے اَمْرِیْ تک کی بجائے یہ الفاظ ہیں خَیْرٌ لِّیْ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط ملط کر سکیں یعنی اپنے دین کو تمہارے دین میں شامل کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے۔" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے مل جل کر رہیں کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا۔ اسی لئے حکم الٰہی ہو رہا ہے کہ مومن صبر کریں ثابت قدم رہیں اور سوا اللہ کے کسی سے نہ ڈریں کفار کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں اللہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا اور دنیا و آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ "میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل مکمل کر دیا تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں نہ اس نبیؐ کے سوا اور کسی نبی کی طرف تمہاری حاجت ہے اللہ نے تمہارے نبیؐ کو خاتم النبیین کیا ہے انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں دین وہی ہے جسے یہ مقرر کریں ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں"۔ جیسے فرمان باری ہے وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل والا ہے۔ دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے۔ چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں اس لئے تم بھی اسی پر راضی رہو یہی دین اللہ کا پسندیدہ ہے اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسولؐ کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنے نبیؐ اور مومنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے۔ اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں اسے اللہ نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے والا اس سے اللہ خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اس کے بعد حلال حرام کا کوئی حکم نہیں اترا اس حج سے لوٹ کر اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں "اس آخری حج میں حضورؐ کے ساتھ میں بھی تھی ہم جا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت جبرئیلؑ کی تجلی ہوئی۔ حضورؐ اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ کے رسولؐ پر اوڑھا دی"۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ ﷺ حیات رہے حج اکبر والے دن جبکہ یہ آیت اتری تو حضرت عمرؓ رونے لگے۔ حضورؐ نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم دین کی تعمیل میں کچھ زیادہ ہی تھے اب وہ کامل ہو گیا اور دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اسی معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور انجان پن سے

شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب انجان ہو جائے گا- پس غرباء کے لئے خوشخبری ہے-مسند احمد میں ہے' کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا تم جو اس آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ' کو پڑھتے ہو' اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے' حضرت عمرؓ نے فرمایا' واللہ مجھے علم ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس دن نازل ہوئی- عرفے کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے' ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے اور تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجۃ الوداع والے سال عرفے کا دن جمعہ کو تھا- اور روایت میں ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا' یہ آیت ہمارے ہاں دوہری عید کے دن نازل ہوئی ہے- حضرت ابن عباسؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپؐ نے فرمایا' ہمارے ہاں تو یہ آیت دوہری عید کے دن اتری ہے' عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی- حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن شام کو اتری ہے- حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفے کو یہ اتری ہے- حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں' اس وقت حضورؐ موقف میں کھڑے ہوئے تھے- ابن عباسؓ سے جو مروی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر والے دن ہی مدینے میں تشریف لائے' یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے- مسند احمد میں ہے' حضورؐ پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن نبی بنائے گئے' پیر والے دن ہجرت کے ارادے سے نکلے' پیر کے روز ہی مدینے پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت کئے گئے' حجر اسود بھی پیر کے دن واقع ہوا' اس میں سورہ مائدہ کا پیر کے دن اترنا مذکور نہیں' میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا ہوگا' دو عیدوں کے دن یہ آیت اتری تو دو کے لئے بھی لفظ اثنین ہے اور پیر کے دن کو بھی اثنین کہتے ہیں- اس لئے راوی کو شبہ سا ہو گیا- واللہ اعلم- دو قول اس میں اور بھی مروی ہیں- ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نا معلوم ہے- دوسرا یہ کہ یہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں' اس کا مولیٰ علیؓ ہے گویا ذی الحجہ کی اٹھارویں تاریخ ہوئی جبکہ آپ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں قول صحیح نہیں- بالکل صحیح اور بیشک وشبہ قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن جمعہ کو اتری ہے- امیر المومنین عمر بن خطاب اور امیر المومنین علی بن ابو طالب اور املیر المومنین حضرت امیر معاویہؓ بن ابو سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور اسی کو حضرت شعبی' حضرت قتادہ' حضرت شہیر رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ اور علماء نے کہا ہے- یہی مختار قول ابن جریرؒ اور طبریؒ کا ہے-

پھر فرماتا ہے جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی طرف مجبور و بے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام لا سکتا ہے- اللہ غفور و رحیم ہے- وہ جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں توڑی لیکن بے بسی اور اضطرار کے موقعہ پر اس نے یہ کیا ہے تو اللہ اسے معاف فرما دے گا- صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا- مسند احمد میں ہے' جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصت نہ قبول کرے' اس پر عرفات کے پہاڑ برابر گناہ ہے- اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مرا چاہتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح' ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جبکہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے- اس کے تفصیلی بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں- اس مسئلہ میں جب بھوکا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے' مردار اور دوسرے کا کھانا اور حالت احرام میں شکار تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھالے یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کرلے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی

چیز بلا اجازت کھالے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کردے؟ اس میں دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ سے دونوں مروی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا ہے' یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطرار' بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو اس کے لئے مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضورؐ ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ آئے دن ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھالینا کیا جائز ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''جب صبح شام نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے۔'' اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے۔ ابن عونؒ فرماتے ہیں حضرت حسنؒ کے پاس حضرت سمرہ کی کتاب تھی جسے میں ان کے سامنے پڑھتا تھا' اس میں یہ بھی تھا کہ صبح شام نہ ملنا اضطرار ہے' ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''جب تک کہ تو اپنے بچوں کو دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آجائے''۔ ایک اعرابی نے حضورؐ سے حلال حرام کا سوال کیا' آپؐ نے جواب دیا کہ کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام۔ ہاں جب کہ ان کی طرف محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے جب تک کہ ان سے غنی نہ ہو جائے' اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ محتاجی کون سی ہے جس میں میرے لئے وہ حرام چیز حلال ہوئے اور وہ غنی ہونا کون سا ہے جس میں مجھے اس سے رک جانا چاہئے؟ فرمایا جبکہ تو صرف رات اپنے بال بچوں کو دودھ سے آسودہ کر سکتا ہو تو حرام چیز سے پرہیز کر۔ ابوداؤد میں ہے' حضرت نجیع عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے لئے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اس نے کہا' صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ' آپؐ نے کہا یہی ہے اور کونسی بھوک ہوگی؟ پس اس حالت میں آپ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی تھا' بھوک باقی رہتی تھی۔ اس لئے ان پر مردہ حلال کر دیا گیا تاکہ وہ پیٹ بھر لیا کریں۔ اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے' صرف جان بچ جائے اتنا ہی کھانا جائز ہو' یہ حد ٹھیک نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع اہل و عیال کے آیا اور حرہ میں ٹھہرا' کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ اس نے ان سے کہا' اگر میری اونٹنی تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی اسے مل گئی۔ اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار پڑ گئی تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ ہم بھوکے رہا کرتے ہیں' تم اسے ذبح کر ڈالو لیکن اس نے انکار کر دیا' آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی صاحبہ نے کہا' اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کو ٹکڑے کر کے سکھا لو' ہم بھوکوں کو کام آجائے گا' اس بزرگ نے جواب دیا' میں تو یہ بھی نہیں کروں گا۔ ہاں اگر اللہ کے نبیؐ اجازت دے دیں تو اور بات ہے' چنانچہ حاضر حضورؐ ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا' کیا تمہارے پاس اور کچھ کھانے کو ہے جو تمہیں کافی ہو؟ جواب دیا کہ نہیں' آپؐ نے فرمایا' پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے یہ علم ہوا تو اس نے کہا' پھر تم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لی؟ اس بزرگ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ شرم معلوم ہوئی۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بوقت اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق اپنے پاس رکھ لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوا ہے کہ یہ حرام بوقت اضطرار اس کے لئے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو' اس کے لئے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے۔ جیسے سورہ بقرہ میں ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی جو شخص بے قرار کیا جائے سوائے باغی اور حد سے گذرنے والے کے' پس اس پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اس آیت

سے یہ بات استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی کسی نافرمانی کا سفر کر رہا ہے اسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں اس لئے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ ٱلْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ ٱللَّهُ ۖ فَكُلُوا۟ مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَٱذْكُرُوا۟ ٱسْمَ ٱللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ ﴿٤﴾

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟ تو کہہ دے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہو کہ تم انہیں تھوڑا بہت وہ سکھاؤ جس کی تعلیم اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے پس وہ شکار کو تمہارے لئے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اسے کھالو اور اس پر اللہ کا نام ذکر کر لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

شکاری کتے اور شکار: ☆☆ (آیت:۴) چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں' پھر ضرورت کی حالت کے احکامات مخصوص کرائے گئے جیسے فرمان ہے وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل سے تمہارے سامنے آچکا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم حالات کی بناء پر بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں۔ سورۂ اعراف میں آنحضرت ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتمؓ اور زید بن مہلہلؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا' اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔

مقاتلؒ فرماتے ہیں' ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں' امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا' وہ طیبات میں داخل نہیں۔ اور تمہارے لئے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سدھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہؓ' تابعینؒ' ائمہؒ وغیرہ کا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شکاری سدھے ہوئے کتے' باز' چیتے' شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جاسکتا ہو۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کرلے ان کے ذریعہ شکار کھیلنا حلال ہے۔ لیکن حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ پڑھا ہے۔ سعید بن جبیرؒ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدیؒ کا بھی یہی قول ابن جریر میں مروی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں' باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں' اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھالو ورنہ نہ کھاؤ لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو اس کا اور شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے۔ ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے۔

امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول مقبول ﷺ سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ''جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھالے۔'' امام احمدؒ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کر لیا ہے' اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں' گدھا' عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابیؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''وہ شیطان ہے''۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔ شکاری حیوانات کو جوارح اس لئے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو' جیسے عرب کہتے ہیں فلان جرح اھله خیرا یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کے لئے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں فلان لا جارح له فلاں شخص کا کوئی کماؤ نہیں' قرآن میں بھی لفظ جرح کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمان ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اور اسے بھی اللہ جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضورؐ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آ کر آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ جس امت کے قتل کا حکم آپؐ نے دیا ہے' ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپؐ خاموش رہے' اس پر یہ آیت اتری۔ پس آپؐ نے فرمایا ''جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بِسْمِ اللّٰهِ بھی کہے' پھر وہ شکار پکڑ لے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے' یہ کھالے''۔ ابن جریر میں ہے' جبرائیلؑ نے حضورؐ سے اندر آنے کی اجازت چاہی' آپؐ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپؐ نے فرمایا' اے قاصد رب! ہم تو تمہیں اجازت دے چکے' پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا' ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا ہو' اس پر آپؐ نے حضرت رافعؓ کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں' ابورافعؓ فرماتے ہیں' میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا' ایک بڑھیا کے پاس کتا تھا' جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا' مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آ کر حضورؐ کو خبر دی' آپ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑو' میں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا' اب لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت يَسْئَلُوْنَكَ الخ نازل ہوئی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابورافعؓ آس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسئلہ دریافت کرنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدیؓ' حضرت سعید بن خیثمہؓ' حضرت عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہم محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے۔ مُكَلِّبِيْنَ کا لفظ ممکن ہے کہ علمتم کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جوارح یعنی مفعول کا حال ہو۔ یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اور حالانکہ وہ شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہوگا' جیسے کہ امام شافعیؒ کے دونوں قولوں میں سے ایک قول ہے اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لئے فرمایا' تم نے انہیں اس سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ نے تمہیں سکھا رکھا ہے' یعنی جب تم چھوڑو تو جائے' جب تم روک لو تو رک جائے اور شکار پکڑ کر تمہارے لئے روک رکھے تاکہ تم جا کر اسے لے لو' اس نے خود اپنے لئے اسے شکار نہ کیا ہو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لئے شکار کیا ہو اور اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لئے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو' اس پر

اجماع ہے۔

اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ میں اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں' تو آپ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھالے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو' ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملا ہو اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہے' دوسرے کو بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر نہیں چھوڑا' میں نے کہا' میں نوکدار لکڑی سے شکار کھیلتا ہوں' فرمایا' اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھالے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے' دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام پڑھ لیا کر' پھر وہ شکار کو تیرے لئے پکڑ رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو اسے بھی کھا سکتا ہے اس لئے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے۔ اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اس نے کھا لیا ہو تو پھر اسے نہ کھا۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے لئے شکار نہ پکڑا ہو؟ یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعیؒ کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھالے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے' ان کے دلائل یہ ہیں۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں' تو کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے تہائی حصہ کھا لیا ہو۔ حضرت سعید بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ گو ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو پھر بھی کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں' جب بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہے تو اسے کھالے' کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ یہی مروی ہے حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے۔ حضرت عطاؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ زہری ربیعہ اور مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے' اسی کی طرف امام شافعیؒ اپنے پہلے قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے ابن جریرؒ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھا لیا ہو تو جو باقی ہو اسے وہ کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریرؒ نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمانؓ سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمانؓ کا قول نقل کرتے ہیں' یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں۔

ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے' وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابو ثعلبہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں۔ ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں' وہ تجھ پر حلال ہے' اس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگرچہ کتے نے کھا لیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں' اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے' پوچھا اگر وہ زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا بلکہ وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا' تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھا پی سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے' جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں

سے بھی کھالیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہوا سے بھی تو کھا سکتا ہے- ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں- اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے' تو اسے کھالے- حضرت علیؓ نے پوچھا اگر چہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو' فرمایا ہاں- پھر بھی ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو کھالیا ہوتا ہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے- کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں- ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے- وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا ہو تو بقیہ حلال- پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدیؓ والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابو ثعلبہؓ والی حدیث- یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح حدیثیں بھی جمع ہو جاتی ہیں- استاذ ابوالمعالی جوینیؒ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس بارہ میں یہ وضاحت کرے تو الحمدللہ یہ وضاحت لوگوں نے کر لی-

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے- وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدیؓ کی حدیث میں ہے اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر پرندا اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مارے نہیں پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو کھالے- ابراہیم' نخعی' شعبی' حماد بن سلیمان رحمھم اللہ یہی کہتے ہیں- ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا' جو شکاری جانور یا شکار حاصل کرنے والے خود شکار کرنے والے اور سدھائے ہوئے تمہارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام لے لیا ہوا سے تم کھالو- پھر فرمایا' جس کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے' میں نے کہا گو اسے مار ڈالا ہو؟ فرمایا گو مار ڈالا ہو لیکن یہ شرط ہے کہ کھایا نہ ہو- میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں' تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے- میں نے کہا ہم لوگ تیر سے بھی شکار کیا کرتے ہیں- اس میں سے کون سا حلال ہے؟ فرمایا' جو تیر زخمی کرے اور تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا' ہو اسے کھالے' وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتائی اور باز میں نہیں بتائی' پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا- واللہ اعلم-

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو- جیسے کہ حضرت عدیؓ اور حضرت ابو ثعلبہؓ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمدؒ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لئے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنا شرط ہے- جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بِسۡمِ اللّٰهِ کہہ لے- ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں- بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھنا ہے- جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابو سلمہ کے ربیبہ کو حضورؐ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے' اپنے سامنے سے کھا- صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا' لوگ ہمارے پاس جو لوگ گوشت لاتے ہیں' وہ نو مسلم ہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں؟ آپ نے فرمایا' تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھالو- مسند میں ہے کہ حضورؐ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اس میں سے اٹھائے' آپؐ نے فرمایا' اگر یہ بِسۡمِ اللّٰهِ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا' تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھ لیا کرے- اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہہ دے بِسۡمِ

اَللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ' یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ جابر بن صبیح فرماتے ہیں' حضرت مثنی بن عبدالرحمان خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا' ان کی عادت تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ کہہ لیا کرتے اور مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ خالد بن امیہ بن مخشی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ کھانا کھاتا رہتا ہے جس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو' جب کھانے والا اللہ کا نام یاد کرتا ہے تو اسے قے ہو جاتی ہے اور جتنا اس نے کھایا ہے سب نکل جاتا ہے (مسند احمد وغیرہ) اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ کہتے ہیں لیکن ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں' یہ دلیل لینے کے قابل راوی نہیں۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی' جیسے کوئی اسے دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا۔ حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا' آپؐ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا' جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے۔ وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا' پھر وہ اعرابی کے ساتھ آیا' میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے (مسند' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانو نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے' کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ مسند' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا' تو آپؐ نے فرمایا' شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے۔ کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ اس میں اللہ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّھُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا
مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ
وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں' ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر ادا کرو اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو نہ بطور علانیہ زنا کاری کے اور نہ بطور پوشیدہ بدکاری کے' منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں ۝

ذبیحہ کس نام اور کن ہاتھوں کا حلال ہے؟ ☆☆ (آیت:۵) حلال وحرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں' پھر یہود ونصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ' ابوامامہ' مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' عطاء' حسن' مکحول' ابراہیم' نخعی' سدی' مقاتل بن حیان رحمہم اللہ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے۔ علماء اسلام کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی۔ میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا' اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا' اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ تینوں مذہب کے فقہانے مالکیوں پر اپنی سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو' اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو' یہ غلط ہے کیونکہ چربی کو یہودی حرام جانتے ہیں لیکن مسلمان کے لئے حلال ہے لیکن یہ ایک شخص کا انفرادی واقعہ ہے۔ البتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی' انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضورؐ کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضورؐ کو شانے کا گوشت پسند ہے چنانچہ آپؐ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا' مجھ میں زہر ملا ہوا ہے' آپؐ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپؐ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ گیا۔ آپؐ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرورؓ بھی تھے' جو اسی کے اثر سے راہی بقا ہوئے جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا جس کا نام زینب تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضورؐ نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حلال جانتے ہو' اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے' اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال کر دیئے۔ یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام الٰہی نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے تھے بلکہ جس گوشت کو کھاتے تھے' اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے لیکن سامرہ اور صابیہ اور ابراہیم وشیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی ان سے مستثنیٰ تھے جیسے کہ علماء کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب' تنوخ بہرا' جذام لخم' عاملہ کے ایسے اور بھی ہیں کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں' قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ اس لئے کہ انہوں نے تو نصرانیت سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ ہاں سعید بن مسیب اور حسن بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ باقی رہے مجوسی ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود ونصاریٰ میں ملا دیا گیا ہے اور ان کا ہی تابع کر دیا گیا ہے لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا

اوران کے ذبح کیے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔ ہاں ابوثور ابراہیم بن خالد کلبیؒ جو شافعیؒ اور احمدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے اس کے خلاف ہیں' جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی۔ یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ ممکن ہے ابوثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہو جس میں حکم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں۔ دوسرے یہ روایت مرسل ہے۔ ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ ﷺ نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس کی بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو' اسے وہ کھا لیں بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہی میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو لیکن زیادہ باوزن بات پہلی ہی ہے یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا ادل بدل کے طور پر ہے جس طرح حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا کرتا دیا تھا۔ جب وہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیز گاروں کے اور کسی کو نہ کھلا' اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے' ہوسکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو' واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے یہ بطور تمہید کے ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے' ان کی عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہدؒ کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ محصنات سے آزاد مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار۔ جیسے کہ انہی سے دوسری روایت انہی لفظوں میں موجود ہے۔ جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہ زیادہ ٹھیک بھی ہے۔ تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے بطور پر بری رائے پر نہ چل پڑے۔ پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد عفت ماب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جائیں۔ جیسے دوسری آیت میں مُحْصَنٰتٍ کے ساتھ ہی غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اخدان آیا ہے۔ علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت پر مشتمل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟

ابن جریرؒ میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محصنات سے مراد پاک دامن ہے۔ ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے۔ اور دلیل یہ آیت ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ' یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور

قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسیٰؑ ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص موجود ہے کہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ الخ، یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں- ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہؓ ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کئے اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر کرنے ثابت ہیں تو گویا پہلے سورۂ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا- یہ اس وقت جب یہ مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارض نہیں اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ-

پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو- حضرت جابر بن عبداللہؓ عامر شعبی ' ابراہیم نخعی ' حسن بصری رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے' اسے واپس دلوایا جائے گا- (ابن جریر)

پھر فرماتا ہے' تم بھی پاک دامن عفت ماب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو- پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی گئی تھی' مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں- سورۂ نساء میں بھی اسی کے تماثل حکم گزر چکا ہے-

حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں- اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیکوکار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آ جائیں- ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسی سے ہی نکاح کر سکتا ہے- خلیفتہ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے' میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں- اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کی کہ اے امیر المومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے- اس کے باوجود بھی اس کی توبہ قبول ہے- اس مسئلے کو ہم آیت اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً الخ' کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ- آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ
كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۶﴾

اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ دھولیا کرو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلیا کرو۔ ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو' اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لیا کرو ○ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو ○

وضو اور غسل کے احکامات: ☆☆ (آیت:۶) اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حکم وضو اس وقت ہے جبکہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو۔ یہ دونوں قول تقریباً ایک ہی مطلب کے ہیں۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو ہو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو باوضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر صلوۃ کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے' فتح مکہ والے دن آپؐ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں' یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا' یارسول اللہؐ آج آپؐ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصداً یہ کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو نیا وضو کرلیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کرلیا کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشرؒ نے سوال کیا کہ کیا آپ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو ان کے صاحبزادے عبیداللہؒ سے سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا' اس سے حضرت اسماء بنت زید بن خطابؓ نے کہا ہے' ان سے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے جو فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے' بیان کیا ہے کہ حضور کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں وضو باقی ہو تو بھی اور نہ ہو تو بھی۔ لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا۔ ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے۔ اسے سامنے رکھ کر حضرت عبداللہؓ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخری دم تک آپ کا یہی حال رہا' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن والدہ۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ ہیں لیکن چونکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حدثنا کہا ہے' اس لئے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ ہاں ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں۔ اللہ اعلم۔ حضرت عبداللہؓ کے اس فعل اور اس پر ہمیشگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کرلیا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یوم القیامہ ہر نماز کے لئے

وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے۔ پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا' ہاتھ دھوئے' پھر سر کا مسح کیا اور پھر پیر کا اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو' ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی یہی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وضو ٹوٹے بغیر وضو کرنا زیادتی ہے۔ اولاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے' دوسرا یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو۔ اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے' وہ تو عامل بالحدیث ہے۔ بخاری سنن وغیرہ میں مروی ہے کہ حضورؐ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک انصاری نے حضرت انسؓ سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ فرمایا ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو ٹوٹے نہیں۔ ابن جریر میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے' اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے' ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں۔ صرف نماز کے لئے ہی اس کا وجوب ہے۔ یہ فرمان اس لئے ہے کہ حضورؐ کی سنت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ پھر وضو نہ کرلیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف غریب روایت میں ہے کہ حضورؐ جب پیشاب کا ارادہ کرتے تو ہم آپ سے بولتے لیکن آپ جواب نہ دیتے۔ ہم سلام علیک کرتے پھر بھی جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ پاخانے سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا' اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں۔ فرمایا' وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن بتاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' مجھے کچھ نماز تھوڑا ہی پڑھنی ہے جو میں وضو کروں۔ آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو' علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے۔ مطلب کلام اللہ شریف کا یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کر لیا کرو۔ جیسے عرب میں کہا جاتا ہے' جب تو امیر کو دیکھے' کھڑا ہو جا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لئے کھڑا ہو جا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اس شخص کا وضو نہیں جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے (حدیث کے ظاہری الفاظ تو نیت کی طرح بسم اللہ کہنے پر بھی وجوب کی دلالت کرتے ہیں' واللہ اعلم۔ مترجم)۔ یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آتی ہے۔ بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں؟

منہ کی حد فقہا کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کی اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کی پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں' ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھ کر فرمایا' اسے کھول دے۔ یہ بھی منہ میں داخل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب بچے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں طلح و جھہ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وجھہ میں داخل ہے۔

داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اس کا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا۔ پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا' اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے (ترمذی وغیرہ) اس روایت کو امام بخاری اور امام ترمذی حسن بتاتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں' داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمرؓ' حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ صحاح وغیرہ میں مروی ہے کہ حضورؐ جب وضو کرنے بیٹھتے' کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کا مذہب تو وجوب کا ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ مستحب کہتے ہیں۔ ان کی دلیل سنن کی وہ صحیح حدیث ہے' جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضورؐ کا یہ فرمانا ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب اور وضو میں نہیں۔ ایک روایت امام احمدؒ سے مروی ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں حضورؐ کا فرمان ہے جو وضو کرے' وہ ناک میں پانی ڈالے۔ اور روایت میں ہے تم میں سے جو وضو کرے' وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح وضو کرے۔

مسند احمد اور بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا' ایک چلو پانی کا لے کر کلی کی اور ناک کو صاف کیا' پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لے کر اسی سے بایاں ہاتھ دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا۔ پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا۔ پھر فرمایا میں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ اِلَی الْمَرَافِقِ سے مراد مَعَ الْمَرَافِقِ ہے' جیسے فرمان ہے وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کرو۔ یہ بڑا ہی گناہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہئے۔ دار قطنی وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے لیکن اس کے دو راویوں میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے شانے کو بھی وضو میں دھوئے کیونکہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے ہوئے اعضاؤں سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے۔ صحیح مسلم میں ہے' مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔

بِرُءُ وْسِكُمْ میں وجوب ہے اس کا الحاق یعنی ملا دینے کے لئے ہونا تو زیادہ غالب ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لئے ہونا تامل طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں چونکہ آیت میں اجمال ہے' اس لئے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے' وہی معتبر ہے اور اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا' حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا آپ وضو کر کے ہمیں بتلایئے۔ آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے' پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا' تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا' پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو مرتبہ دھوئے' پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا۔ سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے۔ پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے' پھر اپنے دونوں پیر دھوئے (بخاری و مسلم) حضرت علیؓ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ابوداؤد میں حضرت

معاویہؓ اور حضرت مقدادؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے' یہ حدیثیں دلیل ہیں اس پر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے یہی مذہب حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کی وضاحت جانتے ہیں۔ حنفیوں کا خیال ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہی کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے' اس کی کوئی حد نہیں۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی۔ ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ والی حدیث ہے کہ نبی ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جب آپ قضائے حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں لوٹا لے آیا' آپؐ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا۔ پھر کلائیوں پر سے کپڑا ہٹایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمدؒ اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں ہیں۔ آپؐ صافے پر اور جرابوں پر برابر مسح کیا کرتے تھے' پس یہی اولی ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کر لے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعیؒ کا مشہور مذہب اول ہے اور امام احمدؒ اور ان کے متبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کرنے بیٹھتے ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں' انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی دیتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں۔ پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں' پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں۔ پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپؐ نے فرمایا' جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے' پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (بخاری و مسلم) سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے' انہوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آپ نے وضو کیا' پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنی اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا' میں نے حضورؐ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا' جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ سے جو حدیثیں صحاح میں مروی ہیں' ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

اَرْجُلَکُمْ لام کی زبر سے عطف ہے وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ پر ماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباسؓ یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عروہؒ، حضرت عطاؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت حسنؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت ابراہیمؒ حضرت ضحاکؒ، حضرت سدیؒ، حضرت مقاتل بن حیانؒ، حضرت زہریؒ، حضرت ابراہیم تیمیؒ وغیرہ کا یہی قول اور یہی قرات ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں۔ یہی سلف کا فرمان ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ صرف ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے' پھر سر کا مسح کرے' پھر ہاتھ دھوئے' پھر منہ دھوئے' جب بھی جائز ہے اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی۔ اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ''ف'' ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم لفظ فَاغْسِلُوْا سے ہوتا ہے تو کم از کم منہ کا اول اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے بعد کے اعضا میں ترتیب

اجماع سے ثابت ہے جس میں اختلاف نظر نہیں آتا۔ پھر جبکہ ''ف'' جو تعقیب کے لئے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے' ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسری کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں۔ پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔ اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے۔ پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت پر ترتیب پر نہ بھی ہوتا ہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے' ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے نکلے تو آپ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے اللہ نے پہلے بیان فرمایا۔ چنانچہ صفا سے سعی شروع کی۔ نسائی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دینا بھی مروی ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔ اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہو' اسے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہو' کرنا واجب ہے۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ تیسری جماعت جواباً کہتی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کے حکم اور پیروں کو دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کو بیان کرنا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے' ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا۔ ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے' کہ حضورؐ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا۔ پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نے نماز کو قبول نہیں کرنا۔ اب دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضورؐ کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ بے ترتیب تھا' پیر دھو لئے' پھر کلی کر لی' پھر مسح کر لیا' پھر منہ دھو لیا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں' پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے' آیت کے اس جملے کی ایک قرات اور بھی ہے یعنی وَاَرْجُلِكُمْ لام کے زیر سے اور اسی سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے۔ بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے۔ چنانچہ ابن جریرؒ میں ہے کہ موسیٰ بن انس۔ نے حضرت انسؓ سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انسؓ نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ اور حضرت انسؓ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے' انہیں بالکل بھگو لیا کرتے' آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے' ہاں حضورؐ کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا۔ حضرت قتادہؓ سے بھی یہی مروی ہے' ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر' علقمہ' ابوجعفر محمد بن علی رحمہم اللہ اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید رحمہم اللہ اور ایک روایت میں مجاہدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عکرمہؒ اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرتے تھے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا' ان پر تو تیمم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں پر مسح کا حکم تھا' تیمم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامرؒ سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں' آپ نے فرمایا جبرائیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب

آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی ہلکا دھونا ہے کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے یاد رہے کہ زیر کی قرات یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جیسے عرب کا کلام حجر ضب خرب میں اور اللہ کے کلام عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ میں لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا' یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی ایک توجیہہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جرابیں ہوں۔ بعض کہتے ہیں مراد مسح سے ہلکا دھو لینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔ الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے' جس کے بغیر وضو نہ ہو گا۔ آیت میں بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے' ان شاء اللہ۔ بیہقی میں ہے' حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے پھر پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا' دونوں ہاتھوں کا' سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا۔ پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ (بخاری)

شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں' ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو مسح اور دھونا دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریرؒ کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بناء پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بناء پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے' ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں' تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے' ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے' اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین کی مٹی وغیرہ سے رگڑتے رہتے ہیں تو ان کو دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو' ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کے لئے مسح کا لفظ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل جمع کر دیا ہے حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے' مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے موخر ہو۔ پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ یہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا۔ میں نے مکرر غور وفکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امام صاحب دونوں قراتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ پس زیر کی قرات یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرات کو غسل پر یعنی دھونے پر دلیل ہے ہی پس وہ دھونے اور ملنے دونوں کو واجب کہتے ہیں تاکہ زیر اور زبر کی دونوں قراتوں پر ایک ساتھ ہو جائے۔

اب ان احادیث کو سنئے جن میں پیروں کے دھونے کا اور پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ' امیر المومنین حضرت علی بن ابوطالب' حضرت ابن عباس' حضرت معاویہؓ' حضرت عبداللہ بن زید عاصمؓ' حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضورؐ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا۔ ایک بار یا دو بار یا تین بار۔ عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا' یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت کافی دیر سے ہو چکا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھوا چھوئی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا' وضو کو کامل اور پورا کرو' ایڑیوں کو خرابی ہے آگ کے لگنے سے' ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لئے اور تلوں کے لئے آگ سے (بیہقی وحاکم) اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے (مسند امام احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم

کے برابر جگہ بے دھلی دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا' خرابی ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا' ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی۔ ابن جریر میں دو مرتبہ حضورؐ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں' پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف وضیع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو بار بار دھو کر نہ دیکھتا ہو۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی ایڑی یا ٹخنے میں بقدر نیم درہم کے چمڑی خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا' پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی کسی کی خشک رہ جاتی' تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا' پس ان احادیث سے کھلم کھلا ظاہر ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔ اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبیؐ وعید سے اور وہ بھی جہنم کی آگ کی وعید سے نہ ڈراتے' اس لئے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں۔ بلکہ پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوتی ہے جو پیر کے اوپر جراب ہونے کی صورت میں مسح کی صورت ہے۔ یہی چیز امام ابن جریرؒ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں' خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا' لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔ بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپؐ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم کے جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمانؓ سے حضورؐ کے وضو کا طریقہ جو مروی ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔ سنن میں ہے حضرت صبرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' وضو کامل اور اچھا کرو۔ انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو۔ ہاں روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے۔ مسند و مسلم وغیرہ میں ہے' حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں' یا رسول اللہ مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے' آپؐ نے فرمایا' جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے' اس کے منہ سے نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جبکہ وہ ناک جھاڑتا ہے۔ پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں داڑھی اور داڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں۔ پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے۔ کہنیوں سمیت تو اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی پوریوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں' پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت حکم الٰہی کے مطابق دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثناء ہے' اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ تولد ہوا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہ نے حضرت عمرو بن عبسہؓ سے کہا' خوب غور کیجئے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ ابوامامہ' میں بوڑھا ہو گیا ہوں' میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں' میری موت قریب آ پہنچی ہے مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں' ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں تین دفعہ نہیں' میں نے تو اسے حضور کی زبانی سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ سنا ہے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری سند والی حدیث میں ہے' پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔

پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابواسحاق سبیعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنۃ سے بواسطہ حضرت حارث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا' دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم حکم کئے گئے ہو' اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لئے' اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہلکا دھونا ہے اور چپل

اپنے نعلین پرمسح کرلیا لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے مروی ہے اوران میں ہے کہ آپ نے اپنی جرابوں پرمسح کیا اوران میں مطابقت کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اوران پرنعلین تھے اوران دونوں پر آپ نے مسح کرلیا۔ یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے۔ مسند احمد میں اوس بن اوسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اوراپنے نعلین پرمسح کیا اورنماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ یہی روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ اس میں آپ کا کوڑے پر پیشاب کرنا' پھر وضو کرنا اوراس میں نعلین اوردونوں قدموں پرمسح کرنا مذکور ہے۔ امام ابن جریرؒ اسے بیان کرتے ہیں' پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول اس پر ہے کہ اس وقت آپ کا پہلا وضو تھا (یا یہ محمول ہے اس پر کہ نعلین جرابوں کے اوپر تھے۔ مترجم)۔

بھلا کوئی مسلمان یہ کیسے قبول کرسکتا ہے کہ اللہ کے فریضے میں اورپیغمبرؐ کی سنت میں تعارض ہو۔ اللہ کچھ فرمائے اورپیغمبر کچھ اور ہی کریں؟ پس حضور ﷺ کے ہمیشہ کے فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اورآیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے۔ جس کے کانوں تک یہ دلیلیں پہنچ جائیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی۔ چونکہ زبر کی قرات سے پیروں کا دھونا اورزیر کی قرات کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے' اس سے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کا مسح ہی منسوخ ہے' گوایک روایت حضرت علیؓ سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اورجن کا بھی یہ قول ہے' ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پرمسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کا قول ہے کہ سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اوراپنے اسلام کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت جریرؓ نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پرمسح کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے اللہ کے رسولؐ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں' لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی اس لئے کہ حضرت جریرؓ کا اسلام لانا سورۂ مائدہ کے نازل ہوچکنے کے بعد کا تھا' احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تواتر کے ساتھ حضورؐ کے قول وفعل سے جرابوں پرمسح کرنا ثابت ہے۔ اب مسح کی مدت ہے یا نہیں؟ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں۔ احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ رافضیوں نے اس میں بھی گمراہی اختیار کی ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے لیکن روافض اسے نہیں مانتے جیسے کہ حضرت علیؓ کی ہی روایت سے بخاری ومسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہ آیہ کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اوریہی امر حضورؐ کا متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے۔ فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں۔ واللہ الحمد۔

اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اورسلف صالحین کا مسح کے بارے میں بھی الٹ مفہوم لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قدم کی پشت ابھار کعبین ہے۔ پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اورجمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اورقدم کے درمیان ابھری ہوئی ہیں' وہ کعبین ہیں۔ امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ جن کعبین کا یہاں ذکر ہے' وہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں جو ادھر ادھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں' ایک ہی قدم میں کعبین ہیں۔ لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اورحدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو کعبین سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح۔ بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اورصحیح ابن خزیمہ میں اورسنن ابی داؤد میں ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہوکر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کرلو۔ تین بار یہ فرما کر فرمایا' قسم اللہ کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کروگے یا اللہ تمہارے دلوں میں مخالفت

ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی حدیث فرماتے ہیں' پھر تو یہ ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کعبین اس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمے پر ہیں اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث تیمی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کیے گئے تھے' انہیں میں نے دیکھا تو ان کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا۔ یہ انہیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفت حق اور کتمان حق کا بدلہ دیا گیا۔

اس کے بعد تیمّم کی صورتیں اور تیمّم کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ اس کی پوری تفسیر سورۂ نساء میں گزر چکی ہے لہذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تیمّم کا شان نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے متعلق خاصتاً ایک حدیث وارد کی ہے۔ اسے سن لیجئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گر گیا۔ ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے' حضورؐ نے سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھے کچو کے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن حضورؐ کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو' اس خیال سے میں ہلی جلی نہیں' حضورؐ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا' اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے' اے آل ابوبکر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے۔ تم ان کے لئے سرتاپا برکت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا۔ اسی لئے اپنے دین کو سہل' آسان اور ہلکا کر دیا ہے۔ بوجھل سخت اور مشکل نہیں۔ حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمّم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے' باقی احکام' احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ اللہ کی چاہت یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اسکی شکرگزاری کرو۔ اس کی توسیع احکام اور رافت و رحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ کے رسولؐ نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔

مسند' سنن اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے۔ میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں۔ میں بھی پہنچ گیا۔ اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کر کے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے' اس کے لئے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے' فرمایا اس سے پہلے جو بات حضورؐ نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' آپ مجھ سے فرمانے لگے۔ تم ابھی آئے ہو۔ تمہارے آنے سے پہلے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب ایمان و اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے' اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں

اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پیروں کی تمام خطائیں ڈھل جاتی ہیں۔ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ابن جریر میں ہے' جو شخص وضو کرتے ہوئے جب اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو ان سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں' منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں' سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے' پیر کا دھونا ان کے گناہ دھو دیتا ہے۔ دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ ابن جریر میں ہے' جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے' اس کے کانوں سے' آنکھوں سے' ہاتھوں سے' پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' وضو آدھا ایمان ہے' الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا ابھر جاتا ہے۔ قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی فروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے آپ کو آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر لیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے' مال حرام کا صدقہ اللہ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے (صحیح مسلم) یہ روایت ابو داؤد' طیالسی' مسند احمد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ
إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ
شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ
اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

تم پر رب کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں' انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا' ہم نے سنا اور مانا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ○ اے ایمان والو' تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ' راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے' عدل کیا کرو جو پرہیزگاری سے متصل ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو' یقین مانو کہ اللہ تمہارے اعمال سے بہت باخبر ہے ○

''اسلام'' زبان سے عہد اور ''ایمان'' عمل سے اطاعت' اس عہد کا اظہار ہے: ☆☆ (آیت: ۷-۸) اس دین عظیم اور اس رسول کریم کو بھیج کر جو احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے' اسے یاد دلا رہا ہے اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے اللہ کے پیغمبر کی تابعداری اور امداد کرنے' دین پر قائم رہنے' اسے قبول کر لینے' اسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے کیا ہے' اسلام لاتے وقت انہی چیزوں کا ہر مومن اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہؓ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سنتے رہیں گے اور مانتے چلے جائیں گے' خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے' خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے۔ اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو نہیں چھینیں گے۔

باری تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں'

اگر تمہیں یقین ہو۔ اور اس نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تم سے حضورؐ کی تابعداری کے قول' قرار ہو چکے ہیں' پھر تمہاری نافرمانی کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے نکال کر جو عہد اللہ رب العزت نے بنو آدم سے لیا تھا' اسے یاد دلایا جا رہا ہے جس میں فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اس پر گواہ ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ سدیؒ اور ابن عباسؓ سے وہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو مختار بتایا ہے۔ ہر حال میں انسان کو اللہ کا خوف رکھنا چاہئے۔ دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے۔ ایمان والو! لوگوں کو دکھانے کو نہیں بلکہ اللہ کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ صحیح گواہ بن جاؤ۔

بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا' میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا' میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے لگی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنالو۔ میرے باپ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ بیان کیا' تو آپؐ نے دریافت فرمایا کیا اپنی دوسری اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں' تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو۔ اپنی اولاد میں عدل کیا کرو' جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا' چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا۔ پھر فرمایا' دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آ کر عدل سے نہ ہٹ جانا' دوست ہو یا دشمن ہو' تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہئے۔ تقوے سے زیادہ قریب یہی ہے' ھو کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کر دی ہے جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں۔ اور کلام عرب میں بھی' جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ یعنی اگر تم کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور اجازت نہ ملے بلکہ کہا جائے کہ واپس جاؤ' تم واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ پس یہاں بھی ھو کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں' لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ ع ٦

اللہ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں' ان کے لئے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے O اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا' وہ دوزخی ہیں O اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے' اسے یاد کرو جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو' مومنوں کو اللہ ہی پر پورا بھروسہ کر لینا چاہئے O

(آیت:٩-١١) اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر اقرب افعل التفضیل کا صیغہ ایسے موقعہ پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں' جیسے اس آیت میں ہے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا اور جیسے کہ کسی صحابیہؓ کا حضرت عمرؓ سے کہنا کہ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اللہ سے ڈرو! وہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے' ہر خیر و شر کا پورا پورا

بدلہ دے گا۔ وہ ایمان والوں' نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل الٰہی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے۔ پس حقیقتاً ہر طرح قابل تعریف وستائش اللہ ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کا فضل ورحم ہے۔ حکمت وعدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور جھٹلانے والوں کو جہنم واصل کیا جائے چنانچہ یونہی ہوگا۔ پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ایک منزل میں اترے' لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے۔ آپؐ نے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے۔ ایک اعرابی نے آکر آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ عزوجل' اس نے پھر یہی سوال کیا اور آپ نے پھر یہی جواب دیا' تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی' اب آپ نے صحابہؓ کو آواز دی اور جب وہ آ گئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ دیا' اعرابی اس وقت بھی موجود تھا لیکن آپ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضورؐ کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو آپ کی گھات میں بھیجا تھا لیکن اللہ نے اسے ناکام اور نامراد رکھا۔ فالحمدللہ۔

اس اعرابی کا نام صحیح احادیث میں غوث بن حارث آیا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے آپؐ کو اور آپ کے صحابہؓ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی لیکن اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا اور آپ بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا۔

ابن اسحاقؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ کے سر پر گرانا چاہا تھا جبکہ آپ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرو بن حجاش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم حضورؐ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو ان کی شرارت وخباثت سے آگاہ کر دیا۔ آپ مع اپنے صحابہؓ کے وہیں سے پلٹ گئے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے جو کفایت کرنے والا' حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ اللہ کے حکم سے بنو نضیر کی طرف مع لشکر گئے' محاصرہ کیا' وہ ہارے اور انہیں جلاوطن کر دیا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ
عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور انہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز کو قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً یقیناً تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' اب اس عہد و پیمان کے بعد تم میں سے جو انکاری ہو جائے' وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا ○

عہد شکن لوگ؟ اور امام مہدی کون؟ ☆☆ (آیت:۱۲) اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفاداری' حق پر مستقیم رہنے اور عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا۔ تو اب ان آیتوں میں ان سے پہلے کے اہل کتاب سے جو عہد و میثاق لیا تھا اس کی حقیقت و کیفیت کو بیان فرما رہا ہے' پھر جبکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا' اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ اور رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لئے گئے تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ اوبیل قبیلے کا سردار شامون بن اکون تھا' شمعونیوں کا چودھری شافاط بن جدی' یہودا کا کالب بن یوحنا' فیخائیل کا ابن یوسف اور افرائیم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلے کا چودھری قنطمی بن وفون' زبولون کا جدی بن شوری' منشاء کا جدی بن سوسی' دان حملاسل کا ابن حمل' اشار کا ساطور' نفتای کا بحر اور یساخر کا لابل۔ توریت کے چوتھے جز میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔

موجودہ توریت کے نام یہ ہیں۔ بنو اوبیل پر صونی بن سادون' بنی شمعون پر شموال بن صور' بنو یہود پر حشون بن عمیاذب' بنو یساخر پر شال بن صاعون' بنو زبولون پر الیاب بن حالوب' بنو افرایم پر منشا بن عنہور' بنو منشاء پر حمائیل' بنو بیبامیں پر ابیدن' بنو دان پر جعیذر' بنو اشاذ تحایل' بون کان پر سیف بن دعوابیل' بنو نفعالی پر اجذع۔ یاد رہے کہ لیلتہ العقبہ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی' اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے' حضرت اسید بن حضیرؓ حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے۔ ابوامامہ' اسعد بن زرارہؓ سعد بن ربیعؓ' عبداللہ بن رواحہؓ' رفع بن مالک بن عجلانؓ' براء بن معرورؓ عبادہ بن صامتؓ' سعد بن عبادہؓ عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ' منذر بن عمر بن حنیش رضی اللہ عنہم اجمعین۔ انہی سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے فرامین سننے اور ماننے کی بیعت کی۔

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں' ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے' آپ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضورؐ سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اس امت کے کتنے خلیفہ ہوں گے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا' میں جب سے عراق آیا ہوں' اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا' ہم نے حضور علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا' بارہ ہوں گے جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔ یہ روایت سنداً غریب ہے لیکن مضمون حدیث بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے۔

جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک ان کے والی بارہ شخص نہ ہو لیں۔ پھر ایک لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضورؐ نے اب کون سا لفظ فرمایا' انہوں نے جواب دیا یہ فرمایا کہ یہ سب قریش ہوں گے۔'' صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہوں

گے- جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے- اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں-

پس چار خلفاء تو پے در پے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی رضی اللہ عنہم' جن کی خلافت بطریق نبوت رہی- انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ ہیں- بنو عباس میں سے بھی بعض اس طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے- اور ان ہی میں سے حضرت امام مہدی رحمتہ اللہ علیہ ہیں- جن کی بشارت احادیث میں آ چکی ہے- ان کا نام حضورؐ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضورؐ کے والد کا ہوگا- زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پر ہوگی لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں' اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اور ان کا تخیل ہے' نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثناء عشریہ کے ائمہ مراد ہیں- اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے-

توریت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں سے بارہ بڑے شخص ہوں گے' اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے' وہ اپنے اسلام میں کچے اور جاہل بھی تھے' انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صور پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں' ورنہ حدیثیں اس کے واضح خلاف موجود ہیں-

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرما دی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں- جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی' اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے' ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں' پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ' بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

(آیت:۱۳) اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں' زکوۃ دیتے رہیں' اللہ کے رسولوں کی تصدیق کریں' ان کی نصرت و اعانت کریں اور اللہ کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کریں- جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ رہے گی' ان کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے' مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد پھر گئے اور اسے غیر معروف کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے' بھٹک اور بہک جائیں گے چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے میثاق توڑ دیا' وعدہ خلافی کی تو ان پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی' ہدایت سے دور ہو گئے' ان کے دل سخت ہو گئے اور وعظ و پند سے مستفید نہ ہو سکے' سمجھ بگڑ گئی' اللہ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے' باطل تاویلیں گھڑنے لگے' جو مراد حقیقی تھی' اس سے کلام اللہ کو پھیر کر اور ہی مطلب سمجھنے سمجھانے لگے' اللہ کا نام لے کر وہ مسائل بیان کرنے لگے جو اللہ کے بتائے ہوئے نہ تھے' یہاں تک کہ اللہ کی کتاب ان

کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی' وہ اس سے بے عمل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل جب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ تو دل ٹھیک رہے' نہ فطرت اچھی رہی۔ نہ خلوص واخلاص رہا' غداری اور مکاری کو اپنا شیوہ بنالیا۔ نت نئے جال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بنتے رہے۔

پھر نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجئے' یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو تجھ سے اللہ کے فرمان کے خلاف سلوک کرے' تو اس سے حکم الٰہی کی بجا آوری کے ماتحت سلوک کر۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان کے دل کھچ آئیں' ہدایت نصیب ہو جائے اور حق کی طرف آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ''درگزر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے''۔

جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں' ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا۔ انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی اور جو کچھ یہ کرتے تھے' اللہ تعالیٰ انہیں سب جتا دے گا ○ اے اہل کتاب یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسولؐ آ چکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے' جنہیں تم چھپا رہے تھے اور اکثر درگزر کرتا رہتا ہے' تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے ○ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں' سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے ○

(آیت: ۱۴) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ''ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسولؐ آئے گا' یہ اس پر ایمان لائیں گے' اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے۔ لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی' جس کی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر و ملعون کہتے ہیں اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے'' ملکیہ فرقہ' یعقوبیہ فرقے کو' یعقوبیہ ملکیہ کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں' اسی طرح دوسرے تمام

فرقے بھی انہیں ان کے اعمال کی پوری تنبیہہ عنقریب ہوگی۔ انہوں نے بھی اللہ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ پر تہمتیں لگائی ہیں۔ اس پر بیوی اور اولاد والا ہونے کا بہتان باندھا ہے' یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واحد واحد فرد الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ہے۔

علمی بددیانتی: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) فرماتا ہے کہ رب العلی نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے' معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں۔ جو باتیں یہود و نصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں' تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنا لئے تھے اور اللہ کی ذات پر بہتان باندھتے تھے' کتاب اللہ کے جو حصے اپنے نفس کے خلاف پاتے تھے' انہیں چھپا لیتے تھے' ان سب علمی بددیانتیوں کو یہ رسولؐ بے نقاب کرتے ہیں۔ ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو' بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک حاکم میں ہے ''جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا' اس نے بےعملی سے قرآن سے انکار کیا'' چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے۔

پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ اسی نے اس نبی کریم پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے' جو جویائے حق کو سلامتی کی راہ بتاتی ہے' لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبر ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ کے انعاموں کو حاصل کر لینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کر دینے والی ہے''۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ
الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ۭ وَلِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح بن مریم اللہ ہی ہے' تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ ہی کا ہے' وہ جو چاہتا ہے' پیدا کرتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

اللہ وحدہ لاشریک ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷) اللہ تبارک و تعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے' تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقدور ہیں۔ ہر چیز پر اس کی حکومت اور ملکیت ہے۔ کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرأت کر سکے۔ وہ اگر مسیح کو' ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آڑے آئے' اسے روک سکے۔ تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے۔ سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے' جو چاہے کر گزرے' کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں' اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔ اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے' اس کی عظمت و عزت بہت بلند ہے۔ وہ عادل و غالب ہے۔ جیسے جس طرح چاہتا ہے بناتا بگاڑتا ہے۔ اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں۔

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ پر ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور وہ اللہ کے لاڈلے فرزند ہیں- اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیلؑ کو کہا ہے اَنْتَ اِبْنِیْ بکری پھر تاویلیں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہوئے حالانکہ خود انہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے' وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے' قرابت داری نہیں- اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی اَبِیْ وَاَبِیْکُمْ اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں اللہ کے لئے یہ لفظ بھی آتا تھا- پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں اور عبارت کا مفہوم واضح بتا رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہے' وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰؑ کو اللہ سے جو نسبت دیتے ہیں' اس نسبت کا اپنے اوپر اطلاق نہیں مانتے- پس یہ لفظ صرف عزت و وقعت کے لئے تھا نہ کہ کچھ اور- اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب' بہتان و افترا پر اللہ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا؟ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرما دی- یہ قول نہایت عمدہ ہے اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابؓ کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے- ایک چھوٹا سا بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا' اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آ رہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندا نہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھا لیا' اس پر صحابہؓ نے کہا ''حضورؐ یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی'' آپ نے فرمایا ''ٹھیک ہے' اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا''-

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس دوست کے ہیں' تو کہہ دے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو اور وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے- زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

(آیت:۱۸) یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو- تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں' اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم ہے اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے' وہ جسے چاہے بخشے- جسے چاہے پکڑے' وہ جو چاہے کر گزرتا ہے' اس کا کوئی حاکم نہیں' اسے کوئی رد نہیں کر سکتا- وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے- زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملکیت ہے' اس کے زیر اثر ہے' اس کی بادشاہت تلے ہے' سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے' وہی بندوں کے فیصلے کرے گا'

وہ ظالم نہیں عادل ہے' نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا - نعمان بن آصا' بحر بن عمرو' شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے' حضور کے پاس آئے - آپ نے انہیں سمجھایا بجھایا - آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے' سنئے حضرت آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں' ہم تو اللہ کے بچے اور اس کے پیارے ہیں - یہی نصرانی بھی کہتے تھے - پس یہ آیت اتری - ان لوگوں نے ایک بات یہ بھی گھڑ کر مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلوٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے - اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی' اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی' پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں' وہ نکل آئیں' یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا -

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ
مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا
نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ع ۸

اے اہل کتاب بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آ پہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا ہی نہیں - پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

محمد ﷺ مطلقاً خاتم الانبیاء ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے' جس کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں' یہ سب کے بعد ہیں' دیکھ لو حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا' فترت کی اس لمبی مدت کے بعد یہ رسول آئے - بعض کہتے ہیں' یہ مدت چھ سو سال کی تھی -

بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی' بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی' کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اوپر تیس برس کی - ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا - لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے یعنی چھ سو سال کا بعض کہتے ہیں چھ سو بیس سال کا - فاصلہ تھا - ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ کا فرق پڑ جاتا ہے - اسی لئے اہل کہف کے قصے میں ہے وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ گئے -

پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی' وہ تین سو سال کی تھی' نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا' آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے' حضرت محمد ﷺ تک جو علی الاطلاق خاتم الانبیاء تھے' فترۃ کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا - چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضور فرماتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور لوگوں کے میں زیادہ اولیٰ ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں - اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو خیال کرتے ہیں کہ

ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گزرے ہیں' جن کا نام خالد بن سنان تھا۔ جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے حکایت کی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ خاتم الانبیاء حبیب اللہ ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جبکہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے' ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں' دنیا توحید کو بھلا چکی ہے' جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے' سورج' چاند' بت' آگ کی پوجا کی جا رہی ہے' اللہ کا دین بدل چکا ہے کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے' دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے' عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے' جہالت و قساوت کا دور دورہ ہے' بجز چند نفوس کے اللہ کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا' پس معلوم ہوا کہ آپ کی جلالت وعزت اللہ کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ نے جو رسالت کی ذمہ داری ادا کی' وہ کوئی معمولی نہ تھی' صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ''مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں' جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں' فرمایا ہے' میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے' وہ ان کے لئے حلال کیا ہے میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا' میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کر لوں۔ میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ میں قریشیوں میں پیغام الٰہی پہنچاؤں۔ میں نے کہا' یا رب یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنا دیں گے' پروردگار نے فرمایا۔ تو انہیں نکال' جیسے انہوں نے تجھے نکالا۔ تو ان سے جہاد کر' تیری امداد کی جائے گی۔ تو ان پر خرچ کر' تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ان کے مقابلے پر لشکر بھیج۔ ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے۔ اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں۔ بادشاہ عادل' توفیق خیر والا' صدقہ خیرات کرنے والا اور باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا' حالانکہ اہل وعیال بھی ہے اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں' وہ سفلے لوگ جو بے دین' خوشامد خورے اور ماتحت ہیں' جن کی آل اولاد دھن دولت ہے اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سی چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور وہ لوگ جو صبح و شام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور بخیل ہیں۔ فرمایا کذاب اور شنطیر یعنی بدگو'' ۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا میں نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور انہیں روشن وظاہر شریعت عطا فرمائی۔ اس لئے کہ لوگوں کا عذر نہ رہے۔ انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا' ہمیں نہ تو کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا ڈرایا۔ پس کامل قدرتوں والے اللہ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیج دیا' وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب کرنے پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ
يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٠ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى
أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّ فِيهَا
قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ
يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾

یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں سے کسی کو نہیں دیا ○ اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں۔ اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ○

تسلسل انبیاء نسل انسانی پہ اللہ کی رحمت ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۲) حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی جو نعمتیں یاد دلا کر اس کی اطاعت کی طرف مائل کیا تھا، اس کا بیان ہو رہا ہے کہ فرمایا' لوگو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں تم ہی سے بھیجا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد سے انہی کی نسل میں نبوت رہی۔ یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت توحید و اتباع دیتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ پر ختم ہوا۔ پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کاملہ عطا ہوئی' آپ حضرت اسماعیلؑ کے واسطہ سے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے' جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے۔ اللہ آپ پر درود و سلام نازل فرمائے' اور تمہیں اس نے بادشاہ بنا دیا یعنی خادم دیئے۔ بیویاں دیں' گھر بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے' ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا' تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ گھر بھی ہے؟ کہا ہاں' کہا پھر تو تو غنی ہے' اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے' آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں ''سواری اور خادم ملک ہے''۔ بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہؒ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم' سواری اور بیوی ہو' وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے' جس کا گھر ہو اور خادم ہو' وہ بادشاہ ہے۔ یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے ''جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو' اس کا نفس امن و امان میں ہو' دن بھر کفایت کرے' اس کے لئے اتنا مال بھی ہو تو اس کے لئے گویا کل دنیا سمٹ کر آ گئی''۔ اس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے' ان سے یہ اشرف و افضل مانے گئے تھے۔ اور آیت میں ہے، ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب' حکم' نبوت' پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی۔ حضرت موسیٰ سے جب انہوں نے مشرکوں کی دیکھا دیکھی اللہ بنانے کو کہا' اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے اللہ کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر' کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے۔ کیا شرعی حیثیت سے' کیا احکامی حیثیت سے' کیا نبوت کی حیثیت سے' کیا بادشاہت' عزت' مملکت' دولت' حشمت' مال اولاد وغیرہ کی حیثیت سے۔ خود قرآن فرماتا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ الخ' اور فرمایا وَجَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا وسطا الخ' یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدیؐ کو بھی شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من و

سلویٰ کا اترنا' بادلوں سے سایہ مہیا کرنا وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں۔ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم بہ خوشی چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ ترس لوگوں میں سے تھے' جن پر اللہ کا فضل تھا' کہا کہ تم ان کے پاس دروازہ میں تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ○ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں تب تک تو ہم ہرگز وہاں جائیں گے ہی نہیں۔ تو آپ اور تیرا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو' ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں ○

(آیت: ۲۳-۲۴) پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس دراصل ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضے میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی' وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو۔ اللہ تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہہ میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے۔ مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ وادی طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں اریحاء کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں' اس لئے کہ نہ تو اریحاء کا فتح کرنا مقصود تھا' نہ وہ ان کے راستے میں تھا کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آ رہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرقی رخ پر تھا'' اللہ نے اسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے'' مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثے میں آئے گا' تم اپنی پیٹھوں پر مرتد نہ ہو جاؤ۔ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ' ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ جس شہر میں جانے اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کے لئے آپ فرما رہے ہیں' ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی' طاقتور اور جنگجو ہیں' ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے' ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحاء کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے' بنو اسرائیل کے ہر قبیلے میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحاء میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں۔ یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوفزدہ ہو گئے۔ ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے' اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لئے آ گیا' وہ پھل توڑتا ہوا ان کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال

دی' جس میں یہ سب کے سب تھے' بادشاہ نے انہیں کہا' اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا ہے' تمہیں قتل نہیں کرتا - جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے ہماری قوت بیان کر دو - چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے - لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں - دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ کر نہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا' انہوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰؑ کی قوم کے لوگ ہیں' ہم تمہاری خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے - انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے میوے ہیں - انہوں نے واپس جا کر قوم سے سب حال کہہ دیا' اب حضرت موسیٰؑ نے انہیں جہاد کا اور اس شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جائیں اور لڑیں - ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں -

حضرت انسؓ نے ایک بانس لے کر ناپا جو پچاس یا بچپن ہاتھ کا تھا پھر اسے گاڑ کر فرمایا '' ان عمالیق کے قد اس قدر لانبے تھے'' -

مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے' اتنے موٹے اور اتنے لمبے قد کے تھے' انہی میں عوج بن عنق بن آدم تھا' جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس (3333) گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں' ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے' پھر یہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہیں - حضورؐ نے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ پیدا کیا تھا' پھر سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے - ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عنق کافر تھا اور ولد الزنا تھا - یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں نہ بیٹھا تھا' تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا - یہ محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے' قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کی دعا یہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ بچنا چاہئے' یہ دعا قبول ہوئی اور یہی ہوا بھی' قرآن فرماتا ہے '' ہم نے نوح کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی' پھر باقی کے سب کافروں کو غرق کر دیا'' - خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمت حق ہے' کوئی بھی بچنے کا نہیں - تعجب سا تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا' بچ نہ سکے لیکن عوج بن عنق کافر ولد الزنا بچ رہے - یہ بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا - واللہ اعلم -

بنی اسرائیل جب اپنے نبیؑ کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر اللہ کا انعام و اکرام تھا' وہ انہیں سمجھاتے ہیں - ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا' وہ ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب نہ آ جائے' ایک قرات میں یَخَافُوْنَ کے بدلے یُخَافُوْنَ ہے' اس سے مراد یہ ہے '' کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت و عظمت تھی - ایک کا نام حضرت یوشع بن نون تھا' دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا'' - انہوں نے کہا' اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے' اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے - تم دروازے تک تو چلے چلو' یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن ان نامرادوں نے اپنا پہلا جواب اور مضبوط کر دیا اور کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے - حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے - یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی - لیکن یہ بدنصیب اور اکڑ گئے' بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھروں سے شہید کر دیا - ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا اور بے طرح مخالفت رسولؐ پر تل گئے - ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حال کو دیکھئے کہ جب نو سو یا ایک ہزار کا فرا اپنے قافلے کو بچانے

کے لئے چلے' قافلہ تو دوسرے راستے سے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا' ادھر حضورؐ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے؟ اللہ ان سب سے خوش رہے' انہوں نے حضورؐ کے مقابلہ میں اپنے مال' اپنی جانیں اور اپنے اہل وعیال سب کو ہیچ سمجھا' نہ کفار کے غلبے کو دیکھا نہ اسباب پر نظر ڈالی بلکہ حضورؐ کے فرمان پہ قربان ہیں۔ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے اس قسم کی گفتگو کی' پھر مہاجرین صحابہ میں سے کئی ایک نے اسی قسم کی تقریر کی۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا اور بھی کوئی شخص اپنا ارادہ ظاہر کرنا چاہے تو کرے' آپ کا مقصد اس سے بھی یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں اس لئے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانصار کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے' شاید آپ کا ارادہ ہماری منشاء معلوم کرنے کا ہے' سنئے یا رسول اللہؐ' قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ سچا نبیؐ بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپؐ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ تو بغیر کسی پس وپیش کے اس میں کود جائیں گے' آپ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہوگا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے' حضورؐ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں' ہمیں شوق سے لے چلئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں' آپ جان لیں گے کہ ہم اللہ کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں' آپ اللہ کا نام لیجئے۔ کھڑے ہو جایئے' ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر ان شاء اللہ آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ سن کر اللہ کے رسولؐ خوش ہو گئے اور آپؐ کو انصارؓ کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں۔ رضی اللہ عنہم۔

ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر آپؐ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ کہا۔ پھر انصاریوں نے کہا کہ اگر آپ ہماری سننا چاہتے ہیں تو سنئے' ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں' جو کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑیں' ہم یہاں بیٹھے ہیں' بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ اللہ کی مدد لے کر جہاد کے لئے چلئے' ہم جان ومال سے آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت مقداد انصاریؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقدادؓ کے اس قول سے اللہ کے رسولؐ خوش ہو گئے' انہوں نے کہا تھا کہ حضور لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے۔ کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسولؐ کو اس قدر خوش کر سکتا۔ ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن مروی ہے جبکہ مشرکین نے آپ کو عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستے میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے تو آپ نے فرمایا' میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' ہم اصحاب موسیٰؑ کی طرح نہیں کہ انہوں نے اپنی نبی سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑ لو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں حضورؐ آپ چلئے۔ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں۔ یہ سن کر اصحابؓ نے بھی اسی طرح جان نثاروں کے وعدے کرنے شروع کر دیئے۔ پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہی فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ
بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ
اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ

ع ۷ ۸

الفسقین ۲۶

موسیٰ کہنے لگے اے اللہ مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کر دے ○ ارشاد ہوا کہ اب یہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے' یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے' سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا ○

(آیت: ۲۵-۲۶) حضرت موسیٰؑ کو اپنی امت کا یہ جواب سن کر ان پر بہت غصہ آیا اور اللہ کے سامنے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ ''رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے' تو میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما''۔ جناب باری نے یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے۔ وادی تیہہ میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے' کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلاف عادت امور دیکھے مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا' من و سلویٰ کا اترنا۔ ایک ٹھوس پتھر سے جوان کے ساتھ تھا' پانی کا نکلنا' حضرت موسیٰ نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا۔ اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنو اسرائیل نے وہاں پر دیکھے' یہیں توریت اتری۔ یہیں احکام الٰہی نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے گزر جانے کی انہیں نہ ملی۔ ہاں ابر کا سایہ ان پر کر دیا گیا اور من و سلویٰ اتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباسؓ سے یہ سب مروی ہے۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے' پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے۔ اسی اثناء میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے' بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کالب ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین سَنَةً پر وقف تام کرتے ہیں اور اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ کو بتلاتے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت کے گزر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے' انہیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہو لئے اور آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد جبکہ فتح کا وقت آ پہنچا' دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے' اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اللہ کے نبیؑ نے فرمایا' اے سورج! تو بھی اللہ کا غلام ہے اور میں بھی اللہ کا محکوم ہوں' اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو' اس شہر کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور حطۃ کہیں یعنی یا اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔ لیکن انہوں نے اللہ کے حکم کو بدل دیا۔ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے حبۃ فی شعرہ کہتے ہوئے شہر میں گئے۔ مزید تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ فرمان رب کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے جلایا نہیں' اس پر ان کے نبی حضرت یوشعؑ نے فرمایا ''تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے۔ پس میرے پاس ہر قبیلے کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے''۔ چنانچہ یونہی کیا گیا' ایک قبیلے کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبیؑ کے ہاتھ سے چپک گیا' آپ نے فرمایا ''تیرے پاس جو بھی خیانت کی چیز ہے' اسے لے آ''۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے' جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا' اب آگ نے اس سب مال کو جلا دیا۔ امام ابن جریرؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اَرْبَعِيْنَ سَنَةً میں فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عامل ہے اور بنی اسرائیل کی یہ

جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہہ میں سرگرداں رہی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہ نے ہی قتل کیا ہے۔ اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہہ سے چھوٹنے کے بعد کا ہے' علماء یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعورا نے قوم عمالیق کے جباروں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰؑ پر بددعا کی۔ یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے تو جباروں کو موسیٰؑ اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر کی یہی دلیل ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا قد بھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جثے سے نیل کا پل بنا دیا گیا تھا' جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کر' وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں۔ اس واقعہ میں درحقیقت یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کا ذکر ہے اور ان کی مخالفتوں کا اور برائیوں کا بیان ہے یہ دشمنان رب سختی کے وقت اللہ کے دین پر قائم نہیں رہتے تھے۔ رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے تھے۔ جہاد سے جی چراتے تھے' اللہ کے اس کلیم و بزرگ رسولؑ کی موجودگی کا' ان کے وعدے کا' ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا' دن رات معجزے دیکھتے تھے' فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا' اللہ کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں' وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ ہولناکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں' نبی اللہ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دیتے ہیں۔ اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر و رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا۔ لیکن پھر بھی اسی بستی والوں کی طرف اللہ کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس اللہ کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے' ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ گو یہ لوگ اپنے آپ کو اللہ کے محبوب جانتے تھے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے' دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے' سور بندر بھی بنائے گئے' لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ
مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ
اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ
يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ
تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو۔ ان دونوں نے ایک ایک نذرانہ پیش کیا۔ ان میں سے ایک کی نذر تو قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ میں تو تجھے مار ہی ڈالوں گا' اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقوے والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے ○ گو تو میرے قتل کے لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں ○ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے' ظالموں کا یہی بدلہ ہے ○ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا ○ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھا دے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا ہونے سے بھی گیا گزرا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا۔ پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہو گیا ○

حسد و بغض سے ممانعت: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۱) اس قصے میں حسد و بغض' سرکشی اور تکبر کا بدانجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہوگئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بنا اور مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانہ جنت میں بنا لیا اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔ فرماتا ہے ''اے نبیؐ انہیں حضرت آدم کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو۔ ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدمؑ کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے' پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح' تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا۔ ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے۔ حضرت آدم نے اس سے منع کیا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو۔ جس کی خیرات قبول ہو جائے' اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہوگئی' پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے۔ مفسرین کے اقوال سنئے۔ حضرت آدمؑ کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا' بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا۔ قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا۔ حضرت آدمؑ نے اس سے روکا۔ اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے' وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت آدمؑ اس وقت مکے چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا' زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا کہ مکے میں ہے تم وہیں جاؤ۔ حضرت آدمؑ نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا' زمین سے کہا اس نے بھی انکار کر دیا' پہاڑوں سے کہا' انہوں نے بھی انکار کیا' قابیل سے کہا اس نے کہا' ہاں میں محافظ ہوں' آپ جائیے' آ کر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے' اب ہابیل نے ایک

خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کے لئے نکالا' آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی' اس کی کھیتی یونہی رہ گئی' اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالی تھیں۔

چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آ سکتی اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ اس نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے' اس میں میرا کیا قصور" ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا' برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بھی بے دلی سے اللہ کے نام نکالی۔ ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا ظلم و زیادتی سہہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدمؑ نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کے لئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوگئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں' موقع کا منتظر تھا' ایک روز اتفاقاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدمؑ نے قابیل کو بھیجا' یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا' راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی تو اس نے کہا' میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی۔ اس پر ہابیل نے کہا' میں نے بہترین عمدہ' محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بے کار' بے جان چیز نکالی' اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی' ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا' اللہ کا خوف کر' مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا' قابیل نے اپنی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں' اسی لئے میں اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی' چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے۔ آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی' یہ قبولیت کا نشان تھا' اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی' بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہوگیا یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ نہ تھی' قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔ ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف یہ بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر ردی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لوگ میدان قیامت میں ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابوعفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا' وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے' پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی' وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ تو جو چاہے کر' میں تو تیری طرح نہیں کروں گا بلکہ میں صبر و ضبط کروں گا' تجھے تو زور و طاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی نیک بختی اور تواضع و فروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن

مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہوسکتا' میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ "جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں"۔ صحابہؓ نے پوچھا' قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپؐ نے فرمایا' اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "عنقریب فتنہ برپا ہوگا' بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا"۔ کسی نے پوچھا "حضورؐ اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے۔ آپؐ نے فرمایا' پھر بھی تو آدمؑ کے بیٹے کی طرح ہو جا۔

ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ حضرت ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں' اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا' وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں"۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضورؐ سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا' ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جاسکیں گے' تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا' جو حکم رب اور رسولؐ ہو فرمایا صبر کرو' پھر فرمایا جبکہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے تھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا' تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کرلے۔ کہا پھر اگر چہ میں نہ میدان میں اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے اور وہیں رہ۔ عرض کیا کہ میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں؟ فرمایا' پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعائیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔

حضرت ربعیؒ فرماتے ہیں' ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے میں تھے' ایک صاحب نے کہا' میں نے مرحوم سے سنا ہے' آپ رسول اللہ ﷺ کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا' اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے گا تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر کھ لے پس میں حضرت آدمؑ کے ان دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا' اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی' یہ مطلب بھی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آپڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے' ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔

بزار میں ایک حدیث ہے کہ بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذا کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے' اب وہ قاتل پر آجاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں' ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں۔ قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے جائے گا اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے' یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لئے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑھ کر ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے' تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آ جائیں' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے' پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں' اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوفزدہ کیا کہ اس کام سے باز آ جا' ورنہ گناہ گلا ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں' سارا بوجھ تجھ ہی پر ہو گا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اس نصیحت کے باوجود اس کے نفس نے اسے دھوکہ دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا' اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے' یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا۔ یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں' مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر' گلا دبا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا' یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اسے دوسرا پتھر زور سے دے مارا' جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا' اس لئے قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا' کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا۔ یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال۔ جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حواؑ کے پاس آیا اور کہا' قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے' نہ بولتا چالتا ہے نہ ہلتا جلتا ہے' کہا شاید موت آ گئی' اس نے کہا ہاں وہی موت' اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں۔ اتنے میں حضرت آدمؑ آئے' پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں' آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم و رنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ چلی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں' قابیل خسارے' ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا' دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑ گئیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں ''جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے' اس کے خون کا بوجھ آدمؑ کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے' اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ ''قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا' اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔ حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ جہنم کا آدھواں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے۔ سب سے بڑا معذب یہی ہے۔ زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے''۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں ''اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے''۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے' کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے' وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے' یہ اس کے سامنے لڑنے لگے' یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا۔ پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت

کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا - یہ بھی کہا گیا ہے' مار ڈال کر پھر پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا - اہل توریت کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں - اللہ تعالیٰ نے فرمایا' سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے' تجھ پر میری لعنت ہے' اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے' اب تو زمین میں جو کام کرے گا' وہ اپنی کھیتی میں سے تجھے کچھ نہیں دے گی' یہاں تک کہ تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے' پھر تو قابیل بڑا ہی نادم ہوا' نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا - اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدمؑ کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے' اس کا ایک حصہ' بوجھ اور گناہ کا حضرت آدمؑ کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے' اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے' لیکن حسن بصریؒ کا قول ہے کہ "یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے - قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدمؑ کا انتقال ہوا ہے"' لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں -

ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے - تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو' یہ حدیث مرسل ہے - کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدمؑ بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی - آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی - حضرت آدمؑ نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں - زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی' ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی - اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندے نے بھی گویا اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی' اس کا بوجھ اس پر آ گیا - بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے' اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا' ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا - حدیث شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں' ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے - تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (یہ یاد رہے کہ اس قصہ کی تفصیلات جس قدر بیان ہوئی ہیں' ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ اہل کتاب سے اخذ کیا ہوا ہے - واللہ اعلم - مترجم)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ؀

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل

کر دیا' اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے' اس نے گویا تمام لوگوں کو بچالیا' ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے ○

ایک بے گناہ شخص کا قتل تمام انسانوں کا قتل: ☆☆ (آیت:۳۲) فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے قتل بے جا کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرما دیا' ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لئے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ جو شخص کسی ایک کو بلاوجہ مار ڈالے' نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا' نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اس لئے کہ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے' اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی' اس لئے کہ یہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں' میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے' یہ سن کر معصوم خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا' تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو' جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں نہیں۔ فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کو قتل کرنا۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ' میری یہی خواہش ہے' اللہ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے۔ یہ سن کر آپ واپس چلے گئے اور نہ لڑے' مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبی اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینے کے مترادف ہے''۔ (ابن جریر)

ایک اور روایت میں ہے کہ ''ایک کو بے وجہ مار ڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا''۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ''مومن کو بے وجہ شرعی مار ڈالنے والا جہنمی' دشمن رب' ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے''۔ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا۔ یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو' اور جو اسے زندگی دے یعنی قاتل کے ولی سے درگزر کرے اور اس نے گویا لوگوں کو زندگی دی''۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے انسان کی جان بچالی مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا' جلتے کو بچالیا' کسی کو ہلاکت سے ہٹالیا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن و امان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسنؒ سے پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلف تھے' ہم بھی ہیں؟ فرمایا' ہاں یقیناً' اللہ کی قسم! کچھ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقعت نہ تھے۔ پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچالینے کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضورؐ مجھے کوئی ایسی بات بتائیے کہ میری زندگی با آرام گزرے۔ آپؐ نے فرمایا' کیا کسی کو مار ڈالنا تمہیں پسند ہے یا کسی کو بچالینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا۔ بچالینا' فرمایا ''بس اب اپنی اصلاح میں لگے رہو''۔

پھر فرماتا ہے' ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلیں اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ

اپنی سرکشی اور درازدستی سے باز نہ رہے۔ بنو قینقاع کے یہود و بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کو دیکھ لیجئے کہ اوس اور خزرج ؓ کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور لڑائی کے بعد پھر قیدیوں کے فدیئے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے۔ جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا کہ تم سے عہد یہ لیا گیا تھا کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ نہ انہیں دیس نکالا دو لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کے خلاف کیا۔ گو فدیئے ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا۔ اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو؟ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار ہوں۔ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔

محاربہ کے معنی حکم کے خلاف کرنا، برعکس کرنا، مخالفت پر تل جانا ہیں۔ مراد اس سے کفر، ڈاکہ زنی، زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنا ہے یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ (امیر وقت کے) سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے۔ قرآن کی ایک اور آیت میں ہے، جب وہ کسی اقتدار کے مالک ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں، برخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہیں ہوتا۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں "یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آ جانے سے پہلے نہ توبہ کر لے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے، وہ ٹل نہیں سکتا"۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي
الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا أَوْ يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَ
أَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ
فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ
تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾ ع ۸

ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں، یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا الٹے طور سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں تو ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے ○ ہاں جو لوگ ان سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر اختیار پا لو تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے ○

فساد اور قتل و غارت: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۴) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور فساد مچا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں، چاہیں تو الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعد ؓ فرماتے ہیں "یہ حروریہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی اس فعل کا مرتکب ہو، اس کے لئے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری

جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضورؐ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہؓ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لائیں چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں۔ اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا نہ ان کے زخم دھوئے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسولؐ سے لڑتے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں، مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی، سرسام کی بیماری تھی۔ حضورؐ نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑ سوار بھیجے تھے اور ایک کھوجی تھا جو نشان قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے، انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو دی ہو، تم بیان کرو تو آپؓ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے۔ بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنالی تب تو مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے اور تین عکل کے تھے، یہ سب تندرست ہو گئے تو یہ مرتد بن گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے اور زنا کار بھی تھے، جب یہ آئے تو اب سب کے پاس بوجہ فقیری پہننے کے کپڑے تک نہ تھے۔ یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے ہی والے تھے جو ہم نے انہیں جا لیا، وہ پانی مانگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا، یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، ان کے سردار حضرت جریرؓ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا۔ اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا، پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ وہی ان کے ساتھ کیا گیا واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے، اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کا ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے، اس لئے حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں، انہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے، جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا، ان میں ایک شاہ زور حضرت کرز بن جابر فہریؓ تھے۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ رحمتہ اللہ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ابو حمزہ عبد الکریمؒ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضورؐ سے مدینے کی آب و ہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی، جب حضورؐ کو ان کی دغابازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا علم ہوا تو آپؐ نے منادی کرائی کہ اللہ کے لشکریو اٹھ کھڑے ہو۔ یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے۔ ان مرتد ڈاکوؤں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے، خود حضورؐ بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے، وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے ہی کو تھے کہ صحابہؓ نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے، انہیں لے کر حضورؐ کے

سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری۔ ان کی جلا وطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔

پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد حضورؐ نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں یہ بنو سلیم کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضورؐ نے جو سزا انہیں دی' وہ اللہ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت کو اس سزا سے روکا گیا ہے۔ جیسے آیت عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ میں اور بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک کاٹنے سے جو ممانعت فرمائی ہے' اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی لیکن یہ ذرا غور طلب ہے۔ پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں' حدود اسلام مقرر ہوں۔ اس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضورؐ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے لیکن یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضورؐ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔

محمد بن عجلانؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے جو سخت سزا انہیں دی' اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں صحیح سزا بیان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں' لیکن اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضورؐ کے اس فعل پر آپ کو ڈانٹا گیا ہو۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے جو کیا تھا' اس کا وہی بدلہ مل گیا۔ اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا۔

اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا کے ہیں۔ مالک' اوزاعی' لیث' شافعی' احمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر ان کی سزا یہی ہے بلکہ امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا' نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ نہیں' وہ کہتے ہیں'' کہ محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے' راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے''۔ جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے' اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے' راستوں کو پرخطر بنا دے' امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے' اس کا اختیار ہے۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم اگر شکار کھیلے تو اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا ہے یا ان کے برابر روزے رکھنا ہے' بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کرنے والے کے فدیئے میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔ قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دس مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے'

اسی طرح ایسے محارب' مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرح سے کاٹنا ہے یا جلاوطن کرنا اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے۔ جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوتے ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر راستے پرخطر کر دیئے ہوں' لوگوں کو خوفزدہ کر دیا ہو' اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلاوطنی ہے۔

اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یونہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر چھوڑ کر پھر اتار لیا جائے یا یونہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ہم ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ وارد کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے' اگر اس کی سند صحیح ہو تو وہ یہ کہ حضورؐ نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا' آپؑ نے فرمایا ''جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا' ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور جس نے قتل اور دہشت گردی پھیلائی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے' اسے سولی چڑھا دو''۔

فرمان ہے ''کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر انہیں بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے''۔ شعبیؒ تو نکال ہی دیتے تھے اور عطا خراسانیؒ کہتے ہیں ''ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے۔ یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے'' ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں' اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔ ابن جریرؒ کا مختار قول یہ ہے ''کہ اسے اس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔ ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و رذیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ آیت کا یہ ٹکڑا تو ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور مسلمانوں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے' حضورؐ نے ہم سے ویسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لئے تھے۔ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' چوری نہ کریں' زنا نہ کریں' اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں' ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں۔ جو اس وعدے کو نبھائے' اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے' پھر اگر اسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس امر کا اللہ ہی مختار ہے۔ اگر چاہے عذاب کرے' اگر چاہے چھوڑ دے۔ اور حدیث میں ہے' جس کسی نے کوئی گناہ کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ کی ذات اور اس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے' معاف کیے ہوئے جرائم کو دوبارہ کرنے پہ اسے دنیوی سزا ملے گی۔ اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے' ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔

پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے' اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے لیکن جو مسلمان مغرور ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کاٹنا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا کٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں' اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے' صحابہؓ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ جاریہ بن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا' مسلمانوں سے لڑا' اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علیؓ سے سفارش کی' جن میں حضرت حسن بن علیؓ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تھے لیکن آپ نے

اسے امن دینے سے انکار کر دیا - وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا' آپ نے اپنے گھر میں اسے ٹھہرایا اور حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا' بتایئے تو جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے' پھر ان آیتوں کی قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ تک تلاوت کی تو آپ نے فرمایا' میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا - حضرت سعیدؓ نے فرمایا' یہ جاریہ بن بدر ہے' چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں-

قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے' ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا' اے امیر کوفہ فلاں بن فلاں مرادی قبیلے کا ہوں' میں نے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی لڑی' زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں' اس سے پہلے میں تائب ہو گیا - اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں - اس پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے' اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اسے ہلاک کر دیں گے - یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک رہا لیکن پھر بغاوت کر گیا' اللہ نے بھی اس کے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا - علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی گزرگاہوں میں دہشت پھیلا دی' لوگوں کو قتل کیا 'مال لوٹا' بادشاہ لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا - ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا - ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا الخ' یہ اسے سن کر رک گیا اور اس سے کہا' اے اللہ کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سنا' اس نے پھر پڑھی' اللہ کی اس آواز کو سن کر کہ وہ فرماتا ہے' اے میرے گناہ گار بندو' تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ' میں سب گناہوں کو بخشنے پر قادر ہوں - میں غفور و رحیم ہوں - اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار میان میں کر لی' اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے پہنچ گیا' غسل کیا اور مسجد نبویؐ میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے' انہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا - جب دن کا اجالا ہوا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی' بہت بڑا مجرم اور مفرور شخص علی اسدی ہے' سب نے چاہا کہ اسے گرفتار کر لیں - اس نے کہا سنو بھائیو' تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے' اس لئے کہ مجھ پر تمہارے قابو پانے سے پہلے ہی میں توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد خود تمہارے پاس آ گیا ہوں-

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے' یہ اس وقت حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے' وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں' یہ توبہ کر چکے ہیں' اس لئے اب تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے - چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا' جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لئے چلی تو ان مجاہدوں کے ساتھ یہ بھی ہو لئے' سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آ گئیں' یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لئے ان کی کشتی میں کود گئے' ان کی آبدار خارا شگاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لا سکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے' یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے - چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا' اس لئے کشتی الٹ گئی جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی رحمتہ اللہ علیہ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا
فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝۳۵ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لِيَفۡتَدُوۡا

بِهٖ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ
اَلِيۡمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ
مِنۡهَا وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿٣٧﴾

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو ○ یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی جتنا اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیئے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا یہ فدیہ قبول کر لیا جائے' ان کے لئے تو دردناک عذاب ہی ہیں ○ یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے تو دوامی عذاب ہیں ○

تقویٰ قربت الٰہی کی بنیاد ہے: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۷) تقوے کا حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے منع کردہ کاموں سے جو شخص رکا رہے' اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرے۔ وسیلے کے یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہد' حضرت وائل' حضرت حسن' حضرت ابن زید اور بہت سے مفسرین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں' اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال کرنے سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الۡوَسِيۡلَةَ جنہیں یہ پکارتے ہیں' وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان ائمہ نے وسیلے کے جو معنی اس آیت میں کئے ہیں' اس پر سب مفسرین کا اجماع ہے' اس میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں۔

امام جریرؒ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے' جس میں وسیلہ بمعنی قربت اور نزدیکی کے مستعمل ہوا ہے۔ وسیلے کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول کریم ﷺ کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قریب یہی درجہ ہے۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے' 'جو شخص اذان سن کر اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعۡوَةِ التَّامَّةِ الخ' پڑھے' اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے''۔ مسلم کی حدیث میں ہے ''جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہو' وہی تم بھی کہو' پھر مجھ پر درود بھیجو' ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو' وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا' مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا' اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی' مسند احمد میں ہے' جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ مانگو' پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں۔

طبرانی میں ہے' تم اللہ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے' جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا' میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا۔ اور حدیث میں ہے' وسیلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کے ملنے کی دعا کرو۔ ایک غریب اور منکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ' حسینؓ کا نام لیا۔ ایک اور بہت غریب روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں' ایک سفید' ایک زرد' زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے' جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں جن میں سے ہر

ہر گھر تین میل کا ہے- اس کے دریچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں- اسی کا نام وسیلہ ہے' یہ محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے- تقویٰ کا یعنی ممنوعات سے رکنے کا اور حکم احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا'' کہ اس کی راہ میں جہاد کرو' مشرکین و کفار کو جو اس کے دشمن ہیں' اس کے دین سے الگ ہیں' اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں انہیں قتل کرو- ایسے مجاہدین بامراد ہیں' فلاح و صلاح' سعادت و شرافت انہی کے لئے ہے' جنت کے بلند بالا خانے اور اللہ کی بے شمار نعمتیں انہی کے لئے ہیں' یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے جہاں موت وفوت نہیں' جہاں کمی اور نقصان نہیں' جہاں ہمیشگی کی جوانی اور ابدی صحت اور دوامی عیش و عشرت ہے- اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ ایسے سخت اور بڑے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کے لئے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں' لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں' وہ دائمی اور ابدی اور دوامی ہیں- جیسے اور جگہ ہے کہ '' جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے- بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے ساتھ اوپر آ جائیں گے کہ داروغہ انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرا دیں گے- غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے''- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں '' ایک جہنمی کو لایا جائے گا- پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم کہو تمہاری جگہ کیسی ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین- اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کے لئے تو کیا کچھ خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کا سونا دے کر بھی یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا- اللہ تعالیٰ فرمائے گا' جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہی کم مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا- پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا'' (مسلم)

ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی- اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیرؒ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے؟ کہ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا الخ' یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں تو آپ نے فرمایا' اس سے پہلے کی آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا الخ' پڑھو جس سے صاف ہو جاتا ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں- یہ کبھی نہ نکلیں گے (مسند وغیرہ)

دوسری روایت میں ہے کہ یزیدؒ کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا- اس لئے یہ سن کر انہوں نے حضرت جابرؓ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے الٹ کہتے ہیں- اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا- اس پر ان کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابرؓ بہت ہی حلیم الطبع تھے- انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کا جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے' وہ کفار ہیں- کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے؟ کہا پھر کیا یہ آیت قرآن نہیں ہے؟ وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ الخ' اس میں مقام محمود کا ذکر ہے- یہی مقام مقام شفاعت ہے- اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں ان کی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا- پھر جب چاہے گا' انہیں اس سے آزاد کر دے گا-

حضرت یزیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرا خیال ٹھیک ہو گیا- حضرت طلق بن حبیبؒ کہتے ہیں' میں بھی منکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابرؓ سے ملا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کے ہمیشہ رہنے والوں کا ذکر ہے' سب پڑھ ڈالیں تو آپ نے سن کر فرمایا' اے طلق کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں' وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کے لئے لیکن جو لوگ نکلیں گے' یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے- گناہوں

کے بدلے سزا بھگت لی- پھر جہنم سے نکال دیئے گئے- حضرت جابرؓ نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے اور وہ جہنم سے آزاد کر دیئے جائیں گے- قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں-

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو' بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا- یہ تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ قوت و حکمت والا ہے ○ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے- یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا' مہربانی کرنے والا ہے ○ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے- جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف فرمادے' اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

احکامات جرم و سزا: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) حضرت ابن مسعودؓ کی قرات میں فَاقْطَعُوْٓا اَیْمَانَھُمَا ہے لیکن یہ قرات شاذ ہے گو عمل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بناء پر ہے- چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا- اسلام نے اسے تفصیل وار اور منظم کر دیا' اسی طرح قسامت دیت فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے' اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا- ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دویک نامی ایک خزاعی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے- اس نے کعبے کا غلاف چرایا تھا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا- بعض فقہا کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں- تھوڑی ہو یا بہت' محفوظ جگہ سے لی ہو یا غیر محفوظ جگہ سے' بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا-

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عام ہے تو ممکن ہے اس قول کا یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں- ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے' رسی چرائی ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے- جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے- گو اس کے تقرر میں اختلاف ہے- امام مالکؒ کہتے ہیں' تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت یا زیادہ کی کوئی چیز-

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضورؐ کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی- حضرت عثمانؓ نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جبکہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا- حضرت عثمانؓ کا یہ فعل گویا صحابہؓ کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے پھل کے چور کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے- حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے- اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے پاؤ یا دینار کے تقرر میں- امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ- ان کی

دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں' پھر جو اس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہئے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار' پھر اس سے اوپر میں۔ پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم حضورؐ سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے' وہ اس کے خلاف نہیں' اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔ پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ عنہم لیث بن سعد اوزاعی' شافعی' اسحاق بن راہویہ' ابو ثور داؤد بن ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم' دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے' چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو۔ اس سے کم میں نہیں۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا' ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ پس ان تمام احادیث سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم شرط لگانی کھلی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضورؐ کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا' اس کی قیمت نو درہم تھی' چنانچہ ابو بکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ سے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمروؓ مخالفت کرتے رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے۔ اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے۔ علی ابن مسعود' ابراہیم نخعی' ابو جعفر باقر رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہریہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا۔ انہیں جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن یہ جواب ٹھیک نہیں اس لئے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقینی علم نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان بطور واقعہ کے بیان ہو۔ ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا تو گویا حضورؐ بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے خوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابو العلا معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوا دیں' یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں' خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے' لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علماء کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا' پھر جواب بھی مشہور کر دیئے گئے' قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی' بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن و امان قائم ہوتا ہے' جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے' اس پر بڑا جرمانہ رکھا تاکہ لوگ اس برے فعل سے بچیں۔ وہاں یہی حکم مناسب تھا' چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے پس یہ تو عین حکمت ہے۔ اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا' یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے

دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے' اسی عضو پر سزا ہوتا کہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہہ ہو جائے۔ اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے احکام میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے' اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیا کرتا ہے۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ اس شخص کا حق ہے لہذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے' اسے نہ پہنچائے یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں۔ دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک چور حضورؐ کے سامنے لایا گیا جس نے چادر چرائی تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا' میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہو گی۔ انہوں نے کہا' یا رسول اللہؐ میں نے چوری کی ہے' تو آپؐ نے فرمایا' اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو' جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو' انہوں نے توبہ کی' آپ نے فرمایا' اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرما لی۔ (رضی اللہ عنہ) ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر بن سمرہؓ حضورؐ کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہو گئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے۔ فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرا لیا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگا' اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا۔ تو نے تو میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا (رضی اللہ عنہ)۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیور چرا لئے۔ ان لوگوں نے حضورؐ کے پاس اسے پیش کیا' آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہؐ کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو' اس پر آیت فَمَنْ تَابَ نازل ہوئی۔ مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا' ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپؐ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی' لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں۔ یہ واقعہ غزوہ فتح میں ہوا تھا' بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو رسول اللہ ﷺ کے بہت پیارے ہیں' وہ ان کے بارے میں حضورؐ سے سفارش کریں۔ حضرت اسامہؓ نے جب اس کی سفارش کی تو حضورؐ کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا' اسامہؓ تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہؓ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی' میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ کے رسولؐ نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمد بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں' پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا۔ پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت ﷺ سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا) مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی پھر انکار کر جایا کرتی تھی حضورؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور روایت میں ہے' یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلالؓ کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمدللہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ سچا حاکم اللہ ہی ہے' جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا' جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا' جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کاملہ اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ
سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ
هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ
فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ
اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

اے نبیؐ تو ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل نہ کڑھا جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں' اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں- جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے- باتوں کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر انہیں بے اسلوب اور متغیر کر دیا کرتے ہیں- کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا' جس کا خراب کرنا اللہ ہی کو منظور ہو تو اس کے لئے اللہ کی ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں' اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں- ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بہت بڑی سخت سزا ہے ○

جھوٹ سننے اور کہنے کے عادی لوگ: ☆☆ (آیت:۴۱) ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے' جو رائے' قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں- اللہ و رسول کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں- گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے- منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے' دل کے کھوٹے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں' یہ جھوٹ کو مزے مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں- لیکن سچ سے بھاگتے ہیں بلکہ نفرت کرتے ہیں اور جو لوگ آپ کی مجلس میں نہیں آتے' یہ یہاں کی وہاں پہنچاتے ہیں- ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں' پھر نالائقی یہ کرتے ہیں کہ یہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں- مطلب کچھ ہو' لے کچھ اڑتے ہیں' ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو' طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو- کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا- اب کہنے لگے چلو حضورؐ کے پاس چلیں اگر آپ دیت و جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے' لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زناکار کو لے کر آئے تھے- ان کی کتاب توریت میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے- لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر' منہ کالا کر کے' الٹا گدھا سوار کر کے' رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے- جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زناکاری کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے' آؤ حضورؐ کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں اگر آپ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں گے اور اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی اور اگر رجم کو

فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضورؐ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' تمہارے ہاں توریت میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا' جھوٹ کہتے ہیں' تورات میں سنگسار کرنے کا حکم ہے لاؤ تورات پیش کرو' انہوں نے تورات کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ سنائی' حضرت عبداللہؓ سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا' اپنے ہاتھ کو تو ہٹاؤ' ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی' اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضورؐ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا' حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت کو پتھروں سے بچانے کیلئے اس کے آڑے آجاتا تھا (بخاری و مسلم) اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا' ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا' ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اسے چھپایا تھا' جو پڑھ رہا تھا' اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا' جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت پر اچٹتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ کو بلوایا تھا' اپنے مدرسے میں گدی پر آپ کو بٹھایا تھا اور جو توریت آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا' وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم توریت میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا' خاموش ہی کھڑا رہا' آپ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا' اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی توریت میں ان لوگوں کی سزا سنگساری ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت' ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زنا کاری کی۔ اس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اسے رجم نہ کیا پھر ایک عام آدمی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑو۔ آخر ہم نے مل ملا کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے توریت کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت اِنَّا اَنْزَلْنَا الخ' اتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ (ابوداؤد)

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع ۹

یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں' اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کر خواہ ان کو

ٹال دے۔ اگر تو ان سے منہ بھی پھیرلے گا تو بھی یہ تجھے ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔ عدل والوں سے اللہ محبت کرتا ہے O تعجب کی بات ہے کہ اپنے پاس توریت ہوتے ہوئے جس میں احکام اللہ ہیں' تجھے حکم بناتے ہیں پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں O

(آیت: ۴۲-۴۳) مسند احمد ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا منہ کئے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رکھے تھے' تو آپ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا انہوں نے کہا اس نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں' آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا' بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زناکاری کی سزا سنگساری ہے لیکن چونکہ امیر امراء اور شرفاء لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی' اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور اللہ کا حکم مارا نہ جائے اس لئے غریب غرباء' کم حیثیت لوگوں کو رجم کرا دیتے تھے۔ پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی سزا تجویز کرو کہ شریف وغیر شریف' امیر غریب پر سب پر یکساں جاری ہو سکے' چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ منہ کالے کر دیں اور کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو۔ چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا اور آپ نے فرمایا' اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ سے هُمُ الْكٰفِرُوْنَ تک نازل ہوئی۔

انہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ اور آیت میں ہے فاسق ہیں (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ واقعہ زنا فدک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینہ شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضورؐ سے پچھوایا تھا۔ جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن صوریا تھا' یہ آنکھ کا بھینگا تھا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضورؐ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قول دیا تھا' آپ نے انہیں کہا تھا' تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لئے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچا لیا تھا اور من وسلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے اور آپس میں کہنے لگے' بڑی زبردست قسم ہے' اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں' تو کہا حضور توریت میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی' پھر اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کرا دیا گیا۔ اس پر آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ الخ اتری (ابوداؤد وغیرہ)

ایک روایت میں جو دو عالم سامنے لائے گئے تھے' یہ دونوں صوریا کے لڑکے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی' پھر آپ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں اس برائی میں دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ دراصل توراۃ وغیرہ کا منگوانا' ان کے عالموں کو بلوانا' یہ سب انہیں الزام دینے کے لئے نہ تھا' نہ اس لئے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلف ہیں' نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے' اس سے مقصد ایک تو حضورؐ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی توریت میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکلا' دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمان الٰہی کو چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں' اور اس لئے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضورؐ کے پاس اس لئے نہیں آئے تھے کہ آپ کی فرمانبرداری کریں بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ اگر آپؐ کو بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں گے تو

اتحاد کر لیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے۔

اسی لئے فرمان ہے کہ ''جنہیں اللہ گمراہ کر دے تو ان کو کسی قسم سے راہ راست آنے کا اختیار نہیں ہے۔ ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ کا ارادہ نہیں ہے' یہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن دیہاڑے کھانے والے ہیں' بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر' اگر تو ان سے منہ پھیر لے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا قصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے''۔ بعض بزرگ کہتے ہیں' یہ آیت منسوخ ہے۔ اس آیت سے وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ۔ پھر فرمایا ''اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل و انصاف کے ساتھ کر' گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور مان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے''۔

پھر ان کی خباثت' بدباطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ''ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں' دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے' پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے گا تو لے لیں گے' ورنہ چھوڑ چھاڑ دیں گے''۔ تو فرمایا کہ یہ کیسے تیری فرماں برداری کریں گے؟ انہوں نے تو توریت کو بھی چھوڑ رکھا ہے جس میں اللہ کے احکامات ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ
الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا
مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا
النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ
يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

دراصل یہ ایمان و یقین والے ہیں ہی نہیں' ہم نے ہی توریت نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے' یہودیوں میں اسی توریت کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء' اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو صرف میرا ڈر رکھو' میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو۔ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں' وہ پورے اور پختہ کافر ہیں ○

(آیت: ۴۴) پھر اس توریت کی مدحت و تعریف بیان فرمائی۔ جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت و نورانیت تھی۔ انبیاء جو اللہ کے زیر فرمان تھے' اسی پر فیصلہ کرتے رہے' یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے' تبدیلی اور تحریف سے بچے رہے' ربانی یعنی عابد' علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے۔ کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ و شاہد تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم اور لحظہ لحظہ پر خوف رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ مانے' وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے ان شاء اللہ۔

ان آیتوں کا ایک شان نزول بھی سن لیجئے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا' دوسری میں ظالم' تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے۔ ایک غالب تھا' دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز کو قتل کر دے تو ایک سو وسق دیت دے۔ یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضورؐ مدینے میں آئے' اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا۔ یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلواؤ' وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے' ایک ہی دین کے' ایک ہی نسب کے' ایک ہی شہر کے' پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ؟ ہم چونکہ اب تک تمہارے دبے ہوئے تھے' اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں' ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں۔ پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کریں گے۔ لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھداروں نے کہا' دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضورؐ کوئی ناانصافی پہ مبنی حکم کریں۔ یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا۔ جو تم نے آنحضرت ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا۔ کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو کسی کو حضورؐ کے پاس چپکے سے بھیج دو' وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اگر ہماری حمایت میں ہوا تب تو بہت اچھا' چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہوا تو پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرتؐ کے پاس بھیجا۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچیں' اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسولؐ کو ان دونوں فرقوں کے بد ارادوں سے مطلع فرما دیا (ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ تھے۔ بنونضیر کی پوری دیت تھی اور بنوقریظہ کی آدھی۔ حضورؐ نے دونوں کی دیت یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں' سو وسق دیت تھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا' ادھر زنا کا قصہ واقع ہوا ہو جس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ ہاں ایک بات اور ہے جس سے اس دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے' وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے وَکَتَبۡنَا عَلَیۡهِمۡ فِیۡهَاۤ الخ' یعنی ہم نے یہودیوں پر توریت میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض جان' آنکھ کے عوض آنکھ۔ واللہ اعلم۔

پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں۔ گو یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنواسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں' جس نے وحی الٰہی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا' جاننے کے باوجود اس کے خلاف کیا' وہ کافر ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا' اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا' وہ ظالم اور فاسق ہے۔ خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی اور ہو۔ شعبیؒ فرماتے ہیں "مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا' وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے"۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے"۔ طاؤسؒ فرماتے ہیں "اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو

سرے سے اللہ کے رسول' قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو"۔ عطاؒ فرماتے ہیں کتم (چھپانا) کفر سے کم ہے۔ اسی طرح ظلم وفسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا ہو جاتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جارہے ہو"۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ
وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ
وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۵﴾

ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت' دانت کے بدلے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے' وہی لوگ ظالم ہیں ○

قتل کے بدلے تقاضائے عدل ہے: ☆☆ (آیت:۴۵) یہودیوں کو اور سرزنش کی جارہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا' یہ کھلم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنونضیر کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف کالا منہ کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی لئے وہاں تو انہیں کافر کہا۔ یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا وَالْعَيْنُ پڑھنا بھی مروی ہے (ابوداؤد وغیرہ) علماء کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جا ہے ہمارے سامنے بطور تقریر بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے۔ جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں' اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک تو وہی جو بیان ہوا' ایک اس کے بالکل برعکس۔ ایک یہ کہ صرف ابراہیمی شریعت جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں' اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے خلاف اجماع ہے لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان

لازم نہیں آتا تاوقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے' اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی' حضورؐ کے پاس معاملہ آیا۔ آپ نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا' اس پر حضرت انس بن نضرؓ نے فرمایا' کیا اس عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں اے انس۔ اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا' نہیں نہیں یارسول اللہؐ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے' چنانچہ ہوا بھی یہی کہ وہ لوگ راضی رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا' بعض بندگان رب ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے انہوں نے نہ تو معافی دی' نہ دیت لینی منظور کی۔ نسائی وغیرہ میں ہے' ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے' ان لوگوں نے حضورؐ سے آ کر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں۔ مال ہمارے پاس نہیں تو حضورؐ نے ان پر کوئی جرمانہ نہ رکھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کرا لیا ہو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی' آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی' ناک کاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا' دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں۔ جبکہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں' ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔ قاعدہ اعضا کا کٹنا تو جوڑ سے ہوتا ہے۔ اس میں تو قصاص واجب ہے۔ جیسے ہاتھ' پیر' قدم' ہتھیلی وغیرہ۔ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں' ان کی بابت حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف و خطر کی جگہ ہے"۔

ان کے برخلاف ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں' بجز دانت کے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطا' شعبی' حسن بصری' زہری' ابراہیم' نخعی رحمھم اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں' سفیان ثوریؒ اور لیث بن سعدؒ بھی۔ امام احمدؒ سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضورؐ کا فرمودہ ہے۔ لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ "ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار ماردی جس سے اس کی کلائی کٹ گئی' حضرتؐ کے پاس مقدمہ آیا' آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کر؛ اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا اسی کو لے لے۔ اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا۔ لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے' اس کے ایک راوی ہثم بن عکلی اعرابی ضعیف ہیں' ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی' دوسرے راوی غران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمدؒ کی یہ حدیث ہے کہ

ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری' وہ آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے آپ نے دلوادیا' اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ میں تو لنگڑا ہو گیا' آپؐ نے فرمایا' میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا' اب تیرے اس لنگڑے پن کا بدلہ کچھ نہیں۔ پھر حضورؐ نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرمایا۔

مسئلہ: ☆☆ اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لے لیا گیا' اس میں یہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ مالکؒ' شافعیؒ' احمدؒ اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا یہی قول ہے۔ ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ ''اس پر دیت واجب ہے' اسی کے مال میں سے''۔ بعض اور بزرگ فرماتے ہیں ''اس کے ماں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ دیت واجب ہے''۔ بعض اور حضرات کہتے ہیں ''بقدر اس کے بدلے کے تو ساقط ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے''۔

پھر فرماتا ہے ''جو شخص قصاص سے درگزر کرے اور بطور صدقے کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور جو زخمی ہوا ہے' اسے ثواب ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے''۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ زخمی کے لئے کفارہ ہے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے''۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ آیا ہے کہ ''اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگزر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ثلث ہے تو تہائی گناہ' آدھی ہے تو آدھے گناہ اور پوری ہے تو پورے گناہ۔ ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپ نے فرمایا اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابو درداءؓ وہیں تھے۔ فرمانے لگے ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم میں کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کر لے بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے'' اس انصاریؓ نے یہ سن کر کہا' کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضورؐ کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے' اس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا (ابن جریر) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے لیکن امام ترمذیؒ کہتے ہیں' یہ حدیث غریب ہے۔ ابو سفر راوی کا ابو درداءؓ سے سننا ثابت نہیں۔ اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوا تھا' اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جو شخص خون یا اس سے کم کو معاف کر دے وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کا کفارہ ہے''۔ مسند میں ہے کہ جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ مسند میں یہ بھی حدیث ہے ''اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں''۔ پہلے گزر چکا ہے' کہ کفر کفر سے کم ہے' ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے آگے کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم ہی نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت ونصیحت تھی پارسا لوگوں کے لئے ○ انجیل والوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں' جو اللہ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں' وہ بدکار فاسق ہیں ○

باطل کے غلام لوگ: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۷) انبیاء بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰ نبی کو لائے جو توریت پر ایمان رکھتے تھے' اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے' ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور پہلی الہامی کتابوں کی تصدیق تھی' ہاں چند مسائل جن میں یہودی اختلاف کرتے تھے' ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے- جیسے قرآن میں اور جگہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا' میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں- اسی لئے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے توریت کے بعض احکام منسوخ کر دیئے ہیں- انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی کی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں- اَهْلَ لِاِنْجِيْلِ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں وَلْيَحْكُمْ میں لام ے کے معنی میں ہوگا- مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو انجیل اس لئے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے اپنے ماننے والوں کو اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے اور مشہور قراۃ وَلْيَحْكُمْ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انہیں چاہئے کہ انجیل کے کل احکام پر ایمان لائیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں- جیسے اور آیت میں ہے قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ الخ' یعنی اے اہل کتاب جب تک تم توریت وانجیل پر اور جو کچھ اللہ کی طرف اترا ہے' اگر اس پر قائم نہیں ہو تو تم کسی چیز پر نہیں ہو- اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الخ' جو لوگ اس رسول نبی (ﷺ) کی تابعداری کرتے ہیں جس کی صفت اپنے ہاں توریت میں لکھی ہوئی پاتے ہیں' وہ لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اللہ کی اطاعت سے خارج' حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں' یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے- روش آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گزر چکا ہے-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے- سو تو ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کر' اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ' تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے' اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے' اس میں تمہیں آزمائے- تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو' تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے- پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز جتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ○

قرآن ایک مستقل شریعت ہے: ☆☆ (آیت:۴۸) توریت وانجیل کی ثناء وصفت اور تعریف ومدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ''ہم نے اسے حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے- یہ بالیقین اللہ واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے- یہ تمام پہلی الٰہی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت وثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسولؐ پر اترے گی- پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے''-

جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ الخ، جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا' جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا' اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی' وہ پوری ہوئی اور آخری رسول' رسولوں کے سرتاج رسول آ ہی گئے- اور یہ کتاب ان پہلی کتابوں کی امین ہے- یعنی اس میں جو کچھ ہے وہی پہلی کتابوں میں بھی تھا' اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں پہلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے- یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے- جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں جمع تھیں' وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں- اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے جیسے فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ بعض نے کہا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ حضورؐ اس کتاب پر امین ہیں- واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربی زبان کے اعتبار سے بھی یہ غور طلب امر ہے- صحیح تفسیر پہلی ہی ہے امام ابن جریرؒ نے بھی حضرت مجاہدؒ سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے ''یہ بہت دور کی بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے مُهَيۡمِنُ کا عطف مصدق پر ہے' پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا- اگر حضرت مجاہدؒ کے معنی صحیح مان لئے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہیے تھی۔

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ
اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ
اللّٰهُ اِلَيۡكَ‌ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ
يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ‌ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ
لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ‌ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ
اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع ۷ / ۱۱

آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے' ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے' ان سے ہوشیار رہ کہ کہیں یہ تجھے اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کر دیں' اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو تو یقین کر لے کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی لی- اکثر لوگ بے حکم ہی ہوتے ہیں ○ کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے ○

(آیت:۵۰) خواہ عرب ہوں' خواہ عجم ہوں خواہ لکھے پڑھے ہوں' خواہ ان پڑھ ہوں- اللہ کی طرف سے نازل کردہ سے مراد وحی اللہ ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو' خواہ جو پہلے احکام اللہ نے مقرر کر رکھے ہوں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی- اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں' چاہیں نہ کریں لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الٰہی کے ساتھ ان میں فیصلہ کرنے

ضروری ہیں - ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے خبردار اے نبیؐ تو ان کی چاہتوں کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا - ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے - کسی چیز کی طرف ابتداء کرنے کو شرعۃ کہتے ہیں - منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو - پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے - پہلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں وہ سب توحید پر متفق تھیں البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا - جیسے حدیث شریف میں ہے ''ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں ہم سب کا دین ایک ہی ہے ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت دی جاتی رہی''۔

جیسے قرآن فرماتا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسولؐ ہم نے بھیجے ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو اور آیت میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا الخ ہم نے ہر امت کو بزبان رسول کہلوا دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو - احکام کا اختلاف ضرور کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی پھر حلال ہوگئی یا اس کے برعکس یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہوگئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ مثلاً توریت ایک شریعت ہے انجیل ایک شریعت ہے قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے - البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمدؐ تم میں سے ہر شخص کے لئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے - تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری کرنی چاہئے - اس صورت میں جَعَلْنَا کے بعد ضمیرہ کی محذوف ماننی پڑے گی - پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا - پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا - کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی - لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے یہاں تک کہ تمام اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے - یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے - یہ بھی کہا گیا کہ وہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب - پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہئے - اللہ کی اطاعت اس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہئے اور اس آخری شریعت آخری کتاب اور آخری پیغمبرؐ کی بہ دل و جاں فرماں برداری کرنی چاہئے - لوگو تم سب کا مرجع و ماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے - وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتا دے گا سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بروں کو ان کی کج بحثی سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا -

جو حق کو ماننا تو ایک طرف بلکہ حق سے چڑتے ہیں اور مقابلے کرتے ہیں - ضحاکؒ کہتے ہیں مراد امت محمد ﷺ ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے - پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ ''دیکھو کہیں ان خائن مکار کذاب کفار یہود کی باتوں میں آ کر اللہ کے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ ہو جانا - اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے - اسی لئے توفیق خیر ان سے چھین لی گئی - اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج - اللہ کے دین کے مخالف ہدایت سے دور ہیں'' - جیسے فرمایا وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ یعنی گو تو

حرص کرے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں- اور فرمایا وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ حق سے بہکا دیں گے- یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں' آپ صرف اتنا کیجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے' اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجئے- آپؐ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں-

اس کے بعد جناب باری تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں جس میں تمام بھلائیاں موجود اور تمام برائیاں دور ہیں- ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف' خواہش نفسانی کی طرف اور ان احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی جہالت و ضلالت اور اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خان کے احکام کی پیروی کرتے تھے جو الیاسق نے گھڑ دیئے تھے- وہ بہت سے احکام کے مجموعے اور دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے- یہودیت' نصرانیت' اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے جو صرف اپنی عقل اور مصلحت وقت کے پیش نظر ایجاد کئے گئے تھے جن میں اپنی خواہش کی ملاوٹ بھی تھی- پس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے اور اسی کو کتاب و سنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی- درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی طرف آ جائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے' اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب و سنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکم رب سے سرک رہے ہیں؟ یقین والوں کے لئے اللہ سے بہتر حکمران اور کارفرما کون ہوگا؟ اللہ سے زیادہ عدل و انصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے' صاف' سہل اور عمدہ احکام و قواعد اور مسائل و ضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے- وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے- وہ پورے اور پختہ علم والا' کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل و انصاف والا ہے- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں ''اللہ کے فیصلے کے بغیر جو فتویٰ دے' اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے'' - ایک شخص نے حضرت طاؤسؒ سے پوچھا' کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی- طبرانی میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''سب سے بڑا اللہ کا دشمن وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور حیلہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے'' - یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ہے-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ- یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں- تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے' وہ انہی میں سے ہے- ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا ۝

دشمن اسلام سے دوستی منع ہے: ☆☆ (آیت :۵۱-۵۲) دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ "وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض و عداوت ہے- ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں- میرے نزدیک تو جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ انہی میں سے ہے" - حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ سنائی- حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا لوگو! تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ کے نزدیک یہود و نصرانی بن جاؤ- ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے- ابن عباسؓ سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی- جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت و مودت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہماری تباہی کر دیں گے- اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں- ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ
نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ
أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ
نَادِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ
جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا
خَاسِرِينَ ﴿۵۳﴾

تو دیکھے گا کہ جن کے دل میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے- ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے' بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے- پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں ○ اور ایماندار کہنے لگیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے ○

(آیت :۵۲-۵۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ممکن ہے اللہ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے- فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں' حکومت ان کے قدموں میں سر ڈال دے- یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے- پھر تو یہ منافقین جو آج لپک لپک کر ان سے گہری دوستی کرتے پھرتے ہیں' بڑے بھنانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے- ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے- اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے اے لو یہی وہ لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں- انہوں نے جو پایا تھا وہ کھو دیا تھا اور برباد ہو گئے- وَيَقُوْلُ تو جمہور کی قرات ہے- ایک قرات بغیر واؤ کے بھی ہے- اہل مدینہ کی یہی قرات ہے يَقُوْلُ تو مبتدا ہے اور دوسری قرات اس کی يَقُوْلَ ہے تو یہ فَعَسٰی پر عطف ہو گا گویا وَاَنْ يَقُوْلَ ہے-

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تاکہ موقع پر مجھے نفع پہنچے'

دوسرے نے کہا میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں' اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا- اس پر یہ آیتیں اتریں-عکرمہؒ فرماتے ہیں ''لبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں یہ آیتیں اتریں جبکہ حضورؐ نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضورؐ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرادیں گے'' -ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتری ہیں-حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرتؐ سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں- مجھے اللہ رسول کی دوستی کافی ہے- اس پر اس منافق نے کہا میں' دوراندیش ہوں' دور کی سوچنے کا عادی ہوں- مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا- نہ جانے کس وقت کیا موقعہ پڑ جائے؟ حضورؐ نے فرمایا' اے عبداللہ تو عبادہؓ کے مقابلے میں بہت ہی گھاٹے میں رہا' اس پر یہ آیتیں اتریں- ایک روایت میں ہے کہ'' جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری حالت ہو' اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو' انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں' فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تو تمہیں بتادیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں- اس پر حضرت عبادہؓ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے- جب یہودیوں کے اس قبیلہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب یہ غالب آ گئے تو اب عبداللہ بن ابی آپ سے کہنے لگا' حضورؐ میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے- یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے- حضورؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا' اس نے پھر کہا' آپ نے منہ موڑ لیا' یہ آپ کے دامن سے چپک گیا' آپ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے' اس نے کہا نہیں یارسول اللہ! میں نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں' ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے- مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا کھٹکا ہے- آخر حضورؐ نے فرمایا' جاوہ سب تیرے لئے ہیں'' -ایک روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور اللہ نے انہیں نیچا دکھایا تو عبداللہ بن ابی ان کی حمایت حضورؐ کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ان سے صاف برات ظاہر کی- اس پر یہ آیتیں هُمُ الْغٰلِبُوْنَ تک اتریں- مسند احمد میں ہے کہ'' اس منافق عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے حضورؐ تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا' میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا تو اس نے کہا' سعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا- وہ بھی مر گیا''-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی- نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر- اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے' یہ ہے اللہ کا فضل جسے چاہے دے- اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے ۝

قوت اسلام اور مرتدین : ☆☆ (آیت:۵۴) اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا' جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے جیسے اور آیت میں ہے وان تتلوا اور آیت میں ہے اِنْ یَّشَأْ یُذْھِبْکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ اور جگہ فرمایا وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ الخ' مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا۔ ارتداد کہتے ہیں' حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں' 'یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اتری ہے''۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں''خلافت صدیقؓ میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے' ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ دے رہا ہے' وہ اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے۔ یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلہ کے ہیں''۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی پچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' وہ اس کی قوم ہے۔

اب ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ''یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے' جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے' ان پر بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ حضورؐ کی صفتوں میں ہے کہ آپ خندہ مزاج بھی تھے اور قتال بھی یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ' خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو۔ سچے مسلمان راہ حق کے جہاد سے نہ منہ موڑتے ہیں' نہ پیٹھ دکھاتے ہیں نہ تھکتے ہیں' نہ بزدلی اور آرام طلبی کرتے ہیں نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں' نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں۔ وہ برابر اطاعت الٰہی میں' اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں' بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں''مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنے' ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے' صلہ رحمی کرتے رہنے گو دوسرے نہ کرتے ہوں اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے' حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بہ کثرت لاحول ولا قوۃ باللہ پڑھنے کا' کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے''۔ (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے''میں نے حضورؐ سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپ نے مجھے یاد دہانی کی ہے اور سات مرتبہ اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی کی بدگوئی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے بلا کر حضورؐ نے فرمایا' کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے شرط کی' کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ میں نے کہا بہت اچھا' فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لینا''۔ (مسند احمد) حضورؐ فرماتے ہیں''لوگوں کی ہیبت میں آ کر حق گوئی سے نہ رکنا' یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو امام احمدؒ کی مسند۔ فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ کر' سن کر اپنے آپ کو کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا۔ ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی۔ اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپ ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ فرمائے گا' میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔ (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے لوگوں کو خلاف شرع کام کرتے دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا کہ پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا (ابن ماجہ) ایک اور صحیح حدیث میں ہے''مومن کو نہ چاہئے کہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے۔ صحابہؓ نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا ان بلاؤں کو اپنے اوپر لے

لے جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو" - پھر فرمایا' اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے - یعنی کمال ایمان کی یہ صفتیں خاص اللہ کا عطیہ ہیں - اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے' اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے' خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾

مسلمانو تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسولؐ ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے رہتے ہیں او وہ خشوع وخضوع کرنے والے ہیں ○ جو شخص اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی ○

(آیت: ۵۵-۵۶) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ سے اس کے رسولؐ اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں - مومن بھی وہ جن میں یہ صفتیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں' جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ کا حق ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو اللہ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے اور آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے کہ یہ يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرتے ہیں - یہ بالکل غلط ہے - اگر اسے مان لیا جائے تو یہ تو نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل ہی نہیں - ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نماز کے رکوع میں تھے جو ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی' وَالَّذِينَ آمَنُوا سے مراد بقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علیؓ ہیں - اس پر یہ آیت اتری ہے -

ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں' رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں - پس یہ واقعہ بالکل غیر ثابت شدہ ہے اور صحیح نہیں - ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑی اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور باایمان لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے' اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ "جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے' وہ اللہ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ کا لشکر غالب ہے" - جیسے فرمان باری ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ یہ دیکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسولؐ ہی غالب رہیں گے' اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی پسند نہ آئے گا چاہے وہ باپ' بیٹے' بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگوں میں سے ہی کیوں نہ ہو' یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے - انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' رب ان سے راضی ہے' یہ اللہ سے خوش ہیں - یہی اللہ کے لشکر ہیں اور اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے - پس جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنوں کی دوستیوں پر راضی اور رضامند ہو جائے' وہ دنیا میں فاتح ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے - اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا -

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں۔ اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○ جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں' یہ اس واسطے کہ یہ بے عقل ہیں ○

اذان اور دشمنان دین: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ''کیا تم ان سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کی ہنسی اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں''۔ من بیان جنس کے لئے جیسے مِنَ الْاَوْثَانِ میں۔ بعض نے والکفار پڑھا ہے اور عطف ڈالا ہے اور بعض نے والکفار پڑھا ہے اور لَا تَتَّخِذُوْا کا نیا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت و لا الکفار اولیاء ہوگی' کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں ومن الذین اشرکوا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور ان سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کے' اللہ کی شریعت کے دشمن ہیں۔ جیسے فرمایا لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ' مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کریں اور جو ایسا کرے' وہ اللہ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں۔ ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی طرح یہ کفار اہل کتاب اور مشرک اس وقت بھی مذاق اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کے لئے لوگوں کو پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے اس لئے کہ یہ متبع شیطان ہیں۔ اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی بدبو چھوڑ کر دم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے جہاں اذان کی آواز نہ سن پائے۔ اس کے بعد آ جاتا ہے۔ پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آ کر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے' انسان کو ادھر ادھر کی بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعت پڑھیں؟ جب ایسا ہو تو وہ سجدہ سہو کر لے (متفق علیہ)۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں ''اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت کی''۔ ایک نصرانی مدینے میں تھا۔ اذان میں جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنتا تو کہتا' کذاب جل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی' کوئی پتنگا اڑا جس سے گھر میں آگ لگ گئی' وہ شخص اس کا گھر بار سب جل کر ختم ہو گیا۔ فتح مکہ والے سال حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا' قریب ہی ابوسفیان بن حرب' عتاب بن اسید' حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے' عتاب نے تو اذان سن کر کہا' میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا' اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی نہ لیتا۔ ابوسفیان نے کہا بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا' ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کر دیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں کہ حضورؐ آ گئے اور فرمانے لگے' اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کیں ہیں' یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ

کے سچے رسولؐ ہیں' یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں' ورنہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپؐ سے کہہ دیا ہوگا (سیرۃ محمد بن اسحاق)

حضرت عبداللہ بن جبیرؒ جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے' کہا آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا' ہاں سنو۔ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے' راستے میں ہم لوگ ایک جگہ رکے تو نماز کے وقت حضورؐ کے مؤذن نے اذان کہی' ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا' کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپؐ کے پاس لے گیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ نے اور سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اٹھو' اذان کہو' واللہ اس وقت حضورؐ کی ذات سے اور آپ کی فرماں برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا' کھڑا ہوگیا' اب خود آپؐ نے مجھے اذان سکھائی اور جو سکھاتے رہے' میں کہتا رہا' پھر اذان پوری بیان کی۔ جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی' پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے۔ پھر فرمایا' اللہ تجھ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اب تو اللہ کی قسم میرے دل سے رسول کی عداوت بالکل جاتی رہی' ایسی محبت حضورؐ کی دل میں پیدا ہوگئی میں نے آرزو کی کہ مکے کا مؤذن حضورؐ مجھ کو بنا دیں۔ آپؐ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکے میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسیدؓ سے مل کر اذان پر مامور ہوگیا۔ حضرت ابو محذورہؓ کا نام سمرہ بن مغیرہ بن لوذان تھا۔ حضورؐ کے چار مؤذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے مؤذن رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾
قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ
لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ
وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ
السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ
وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہہ دے کہ اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اسی وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں ○ کہہ کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برے بدلے والا اللہ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصے ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور وہ جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی' یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں ○ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی؟ یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ خوب دانا ہے ○

بدترین گروہ اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت: ۵۹-۶۱) حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین پر مذاق اڑاتے ہیں' ان سے کہو کہ تم

نے جو دشمنی ہم سے کر رکھی ہے' اس کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس دراصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے' نہ سبب مذمت' یہ استثنا منقطع ہے۔ اور آیت میں ہے وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ الخ یعنی فقط اس وجہ سے انہوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ وہ اللہ عزیز وحمید کو مانتے تھے۔ اور جیسے اور آیت میں ہے وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور رسولؐ نے مال دے کر غنی کر دیا ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ''ابن جمیل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ نے اسے غنی کر دیا اور یہ کہ تم میں سے اکثر صراط مستقیم سے الگ اور خارج ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو' آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں سے بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ یعنی جسے اللہ نے لعنت کی ہو' اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہو' اس پر غضبناک ہوا ہو' ایسا جس کے بعد رضامند نہیں ہوگا اور جن میں سے بعض کی صورتیں بگاڑ دی ہوں' بندر اور سور بنا دیئے ہوں'' ۔ اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بندر و سور وہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ''جس قوم پر اللہ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے' ان کی نسل ہی نہیں ہوتی' ان سے پہلے بھی سور اور بندر تھے'' ۔

روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مسند میں ہے کہ ''جنوں کی ایک قوم سانپ بنا دی گئی تھی۔ جیسے کہ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ انہی میں سے بعض کو غیر اللہ کے پرستار بنا دیئے۔ ایک قرات میں اضافت کے ساتھ طاغوت کی زیر سے بھی ہے۔ یعنی انہیں بتوں کا غلام بنا دیا۔ حضرت بریدہ اسلمیؓ اسے عَابِدُ الطَّاغُوْتِ پڑھتے تھے۔ حضرت ابو جعفر قاریؒ سے وَعُبِدَ الطَّاغُوْتُ بھی منقول ہے جو بعد از معنی ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو حالانکہ ہم موحد ہیں۔ صرف ایک اللہ برحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ مذکورہ سب برائیاں تم میں پائی گئیں۔ اسی لئے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار قدر و منزلت کے بہت برے ہیں اور باعتبار گمراہی کے انتہائی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس افعل التفضیل میں دوسری جانب کچھ مشارکت نہیں اور یہاں تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسے اس آیت میں اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا پھر منافقوں کی ایک اور بدخصلت بیان کی جا رہی ہے کہ ''ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے باطن کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس کفر کی حالت میں آتے ہیں اور اسی حالت میں تیرے پاس سے جاتے ہیں تو تیری باتیں تیری نصیحتیں' ان پر کچھ اثر نہیں کرتیں۔ بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی' جس سے ان کا معاملہ ہے' وہ تو عالم الغیب ہے' دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں' وہاں جا کر پورا پورا بدلہ بھگتنا پڑے گا۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کے کھانے کی طرف لپک رہے ہیں۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ یقیناً نہایت

برے کام ہیں ○ انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک بہت برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں ○

(آیت:۶۲-۶۳) تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ گناہوں پر، حرام پر اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں؟ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان کے علماء اور پیروں کے اعمال بدترین ہو گئے ہیں''۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لئے اس سے زیادہ سخت آیت کوئی نہیں''۔ حضرت ضحاک سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا ''لوگو تم سے اگلے لوگ اسی بناء پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے تو ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے جب یہ عادت ان میں پختہ ہو گئی تو اللہ نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں۔ پس تمہیں چاہئے کہ بھلائی کا حکم کرو، برائی سے روکو اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائیں جو تم سے پہلے والوں پر آئے یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم، برائی سے ممانعت، نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا نہ تمہاری موت قریب کر دے گا'' رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جس قوم میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا'' (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے کہ ''یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آئے گا''۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ
وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ
يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ
أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے۔ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں کے اکثر کو تو اور سرکشی اور کفر میں بڑھا دیتا ہے، ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لئے عداوت و بغض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔ یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا ○

بخل سے بچو اور فضول خرچی سے ہاتھ روکو: ☆☆ (آیت:۶۴) اللہ ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول بیان فرما رہا ہے کہ یہ اللہ کو بخیل کہتے تھے، یہی لوگ اللہ کو فقیر بھی کہتے ہیں۔ اللہ کی ذات ان کے اس ناپاک مقولے سے بہت بلند و بالا ہے۔ پس اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مطلب ان کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے۔ فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ الخ یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے زیادہ پھیلا دے کہ پھر تھکان اور ندامت کے

ساتھ بیٹھ رہنا پڑے' پس بخل سے اور اسراف سے اللہ نے اس آیت میں روکا- پس ملعون یہودیوں کی بھی ہاتھ باندھا ہوا ہونے سے یہی مراد تھی- فخاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں- جس پر یہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اسے پیٹا تھا- ایک روایت میں ہے کہ شماس بن قیس نے یہی کہا تھا جس پر یہ آیت اتری- اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کنجوس' ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں- چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں- بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں' یہ ذلیل تر لوگ ہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں' وہ سب کچھ خرچ کرتا رہتا ہے- اس کا فضل وسیع ہے' اس کی بخشش عام ہے' ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں- ہر نعمت اس کی طرف سے ہے- ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے- فرماتا ہے وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْہُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ ''تم نے جو مانگا اللہ نے دیا' اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے' یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حد ناشکرا ہے''- مسند میں حدیث ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ اوپر ہے دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں' شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا' اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی- اس کا عرش پہلے پانی پر تھا' اسی کے ہاتھ میں فیض ہی فیض ہے' وہی بلند اور پست کرتا ہے- اس کا فرمان ہے کہ ''لوگو تم میری راہ میں خرچ کرو گے تم تو دیئے جاؤ گے''- بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے- پھر فرمایا اے نبیؐ! جس قدر اللہ کی نعمتیں تم پر زیادہ ہوں گی' اتنا ہی ان شیاطین کا کفر' حسد اور جلاپا بڑھے گا- ٹھیک اسی طرح جس طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم و اطاعت بڑھتی ہے- جیسے اور آیت میں ہے قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّشِفَآءٌ الخ' ایمان والوں کے لئے تو یہ ہدایت و شفا ہے اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہوتے ہیں- یہی ہیں جو دروازے سے پکارے جاتے ہیں- اور آیت میں ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے- پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و بیر بھی قیامت تک نہیں مٹے گا' ایک دوسرے کا آپس میں ہی خون پینے والے لوگ ہیں' ناممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں- یہ اپنے ہی دین میں فرقہ فرقہ ہو رہے ہیں' ان کے جھگڑے اور عداوتیں آپس میں جاری ہیں اور جاری رہیں گی- یہ لوگ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں' تیرے خلاف چاروں طرف ایک آگ بھڑکانا چاہتے ہیں لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں' ان کا مکر انہی پر لوٹ جاتا ہے' یہ مفسد لوگ ہیں اور اللہ کے دشمن ہیں- کسی مفسد کو اللہ اپنا دوست نہیں بناتا-

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ
سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا
التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا
مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ مِنْھُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ
وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع۱۰

اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے ○ اور اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے' ان پر پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے' ایک

جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے۔ باقی ان میں کے اکثر لوگوں کے بڑے برے اعمال ہیں ○

(آیت: ۶۵-۶۶) اگر یہ باایمان اور پرہیزگار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کر دیں اور اصل مقصد حیات سے انہیں ملا دیں۔ اگر یہ توریت و انجیل اور اس قرآن کو مان لیں کیونکہ توریت و انجیل کا ماننا قرآن کے ماننے کو لازم کر دے گا' ان کتابوں کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے۔ اس کی اور نبی آخر الزماںؐ کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی ان کتابوں کو بغیر تحریف اور تبدیل اور تاویل و تفسیر کے مانیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی ہدایت دیں گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ انہیں دنیا کے کئی فائدے دے گا' آسمان سے پانی برسائے گا' زمین سے پیداوار اگائے گا' نیچے اوپر کی یعنی زمین و آسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتیں نازل فرماتے۔ اور آیت میں ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَا لْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے' اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت و مشکل کے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے ہیں۔

بعض نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرتے تو بھلائیوں سے مستفید ہو جاتے۔ لیکن یہ قول اقوال سلف کے خلاف ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک اثر وارد کیا ہے کہ "حضورؐ نے فرمایا' قریب ہے کہ علم اٹھا لیا جائے۔ یہ سن کر حضرت زیاد بن لبیدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم اٹھ جائے' ہم نے قرآن سیکھا' اپنی اولادوں کو سکھایا۔ آپ نے فرمایا' افسوس میں تو تمام مدینے والوں سے زیادہ تم کو سمجھدار جانتا تھا لیکن کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی توریت و انجیل ہے۔ لیکن کس کام کی؟ جبکہ انہوں نے اللہ کے احکام چھوڑ دیئے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی" ۔ یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضورؐ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہو گی' اس پر حضرت ابن لبیدؓ نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم قرآن پڑھے ہوئے ہیں' اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں' وہ اپنی اولادوں کو پڑھائیں گے' یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا' اس پر آپ نے وہ فرمایا جو اوپر بیان ہوا۔ پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے مگر اکثر بداعمال ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل و انصاف کرنے والا بھی تھا۔ اور قوم عیسیٰ کے بارے میں فرمان ہے فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ الخ' ان میں سے باایمان لوگوں کو ہم نے ان کے ثواب عنایت فرمائے' یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ بیچ کا درجہ بیان فرمایا اور اس امت کا یہ درجہ دوسرا درجہ ہے' جس پر ایک تیسرا اونچا درجہ بھی ہے۔ جیسے فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا الخ' یعنی پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا' ان میں سے بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں' بعض میانہ رو ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں' یہی بہت بڑا فضل ہے۔ یہ تینوں قسمیں اس امت کی داخل جنت ہونے والی ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہؓ کے سامنے حضورؐ نے فرمایا "موسیٰ کی امت کے اکہتر گروہ ہو گئے جن میں سے ایک تو جنتی ہے باقی ستر دوزخی' میری یہ امت دونوں سے بڑھ جائے گی' ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا' باقی بہتر گروہ جہنم میں جائیں گے' لوگوں نے پوچھا' وہ کون ہیں؟ فرمایا جماعتیں جماعتیں" ۔ یعقوب بن یزید کہتے ہیں' جب حضرت علیؓ بن ابوطالب یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الخ اور وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ بھی پڑھتے اور فرماتے' اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے لیکن یہ حدیث ان لفظوں اور اس سند سے بے حد غریب ہے

اور ستر سے اوپر اوپر فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے‘ جسے ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے۔ فالحمدللہ۔

يَآيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۖ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿٦٧﴾

اے رسول پہنچا دے جو کچھ بھی تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے‘ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی‘ تجھے اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا‘ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا ○

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا نہیں: ☆☆ (آیت:۶۷) اپنے نبیؐ کو رسول کے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچا دو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحیح بخاری میں ہے ’’حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں‘ جو تجھ سے کہے کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپا لیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے‘ اللہ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی‘‘۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے۔ اور جگہ پر مطول بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے ’’اگر حضور اللہ کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے جھینپ رہا تھا حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ ابن عباسؓ سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں یہ چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں ہیں حضورؐ نے ایسی بتائی ہیں جو اور لوگوں سے چھپائی جاتی تھیں تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا‘ قسم اللہ کی‘ ہمیں حضورؐ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا (ابن ابی حاتم)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ’’حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا‘ کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی بھی ہے؟ آپؓ نے فرمایا‘ اس اللہ کی قسم جس نے دانے کو اگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و روایت کے جو اللہ کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے‘ اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں‘ قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے‘‘۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت زہریؒ کا فرمان ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ حضورؐ نے اللہ کی سب باتیں پہنچا دیں‘ اس کی گواہ آپ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی‘ اس میں سب نے اس کا اقرار کیا یعنی حجۃ الوداع خطبے میں جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہؓ کا گروہ عظیم تھا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ’’آپؐ نے اس خطبے میں لوگوں سے فرمایا‘ تم میرے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی‘ آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا‘ اے اللہ کیا میں نے تیرے تمام احکامات کو پہنچا دیا‘ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا‘‘؟ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اس خطبے میں پوچھا کہ لوگو یہ کون سا دن ہے؟ سب نے کہا حرمت والا‘ پوچھا یہ کون سا شہر ہے‘ جواب دیا حرمت والا۔ فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ جواب ملا حرمت والا‘ فرمایا پس تمہارے مال اور خون و آبرو آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والے ہیں جیسے اس دن کی‘ اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے۔ پھر بار بار اسی کو دہرایا۔ پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا‘ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم' یہ آپ کے رب کی طرف آپ کی وصیت تھی- پھر حضورؐ نے فرمایا' دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ بات پہنچا دے- دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو- امام بخاریؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے- پھر فرماتا ہے کہ اگر تو نے میرے فرمان میرے بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا' پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے' اگر ایک آیت بھی چھپالی تو حق رسالت ادا نہ ہوا- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچا دو تو حضورؐ نے فرمایا' اللہ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں' میں کس طرح کروں تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا- پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرے ذمہ ہے- تیرا حافظ و ناصر میں ہوں' بے خطر رہئے' وہ کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اس آیت سے پہلے حضورؐ چوکنے رہتے تھے' لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے- چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضورؐ بیدار تھے- انہیں نیند نہیں آ رہی تھی- میں نے کہا' یارسول اللہ! آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا' یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی- آپ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ سعد بن مالک ہوں' فرمایا کیسے آئے' جواب دیا' اس لئے کہ رات بھر حضورؐ کی چوکیداری کروں- اس کے بعد حضورؐ باآرام سو گئے' یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۲ھ کا ہے- اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا ''جاؤ اب میں اللہ کی پناہ میں آ گیا' تمہاری چوکیداری کی ضرورت نہیں رہی''-

ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے' جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے فرمایا' بس چچا اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں' میں اللہ کے بچاؤ میں آ گیا ہوں- لیکن یہ روایت غریب اور منکر ہے- یہ واقعہ ہو تو مکہ کا ہو اور یہ آیت تو مدنی ہے' مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے' اس میں شک نہیں کہ مکے میں بھی اللہ کی حفاظت اپنے رسولؐ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جاں ہونے کے اور ہر ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے' ابتدا رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بارسوخ شخص تھے' آپ کی حفاظت ہوتی رہی' ان کے دل میں اللہ نے آپ کی محبت اور عزت ڈال دی' یہ محبت طبعی تھی' شرعی نہ تھی اگر شرعی ہوتی تو قریش حضورؐ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے- ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں حضورؐ کی شرعی محبت پیدا کر دی اور آپ انہی کے ہاں چلے گئے- اب تو مشرکین بھی اور یہود بھی مل ملا کر نکل کھڑے ہوئے' بڑے بڑے ساز و سامان لشکر لے کر چڑھ دوڑے' لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا- اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں' قدرت نے وہ بھی انہیں پر الٹ دیں- ادھر وہ جادو کرتے ہیں' ادھر سورہ معوذتین نازل ہوتی ہے اور ان کا جادو اتر جاتا ہے- ادھر ہزاروں جتن کر کے بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضورؐ کی دعوت کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں' ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان کی دھوکہ دہی سے آگاہی فرما دیتا ہے اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے ہیں-

اور بھی ایسے واقعات آپ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں- ابن جریر میں ہے کہ ''ایک سفر میں آپ ایک درخت تلے جو صحابہؓ اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ کے لئے چھوڑ دیتے تھے' دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے تو ایک اعرابی اچانک آ نکلا' آپ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی' اتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ سے کہنے لگا' اب بتا کون ہے جو تجھے بچا

لے؟ آپ نے فرمایا' اللہ مجھے بچائے گا' اسی وقت اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے' جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے-''

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضورؐ نے بنونجار سے غزوہ کیا- ذات الرقاع کھجور کے باغ میں آپ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے' جو بنونجار کے ایک شخص وارث نامی نے کہا' دیکھو میں محمد (ﷺ) کو قتل کرتا ہوں- لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار کر کے پار کر دوں گا- یہ آپ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی' آپ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپؐ نے فرمایا' تیرے اور تیرے بد ارادے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتری- حویرث بن حارث کا بھی ایسا قصہ مشہور ہے-

ابن مردویہ میں ہے کہ ''صحابہ کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے' آنحضرت ﷺ کے لئے گھنا سایہ دار بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ اسی کے تلے آرام فرمائیں' ایک دن آپ اسی طرح ایسے درخت تلے سو گئے اور آپ کی تلوار اس درخت میں لٹک رہی تھی- ایک شخص آ گیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا' اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ بچائے گا 'تلوار رکھ دے اور وہ اس قدر ہیبت میں آ گیا کہ تعمیل حکم کرنا ہی پڑی اور تلوار آپ کے سامنے ڈال دی''- اور اللہ نے یہ آیت اتاری کہ اَللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ مسند میں ہے کہ ''حضورؐ نے ایک موٹے آدمی کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' اگر یہ اس کے سوا میں ہوتا تو تیرے لئے بہتر تھا- ایک شخص کو صحابہؓ پکڑ کر آپ کے پاس لائے اور کہا' یہ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا' وہ کانپنے لگا- آپؐ نے فرمایا' گھبرا نہیں' چاہے تو ارادہ کرے لیکن اللہ اسے پورا نہیں ہونے دے گا''- پھر فرماتا ہے تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے' ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے' وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا- تو پہنچا دے' حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے-

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ توریت و انجیل پر اور جو کچھ تمہاری طرف رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ- جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے اترا ہے' وہ ان میں سے اکثر کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا ہی' تو تو ان کافروں پر غمگین نہ ہو ○ مسلمان یہودی ستارہ پرست نصرانی کوئی ہو' جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے' وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا ○

آخری رسولؐ پر ایمان اولین شرط ہے: ☆☆ (آیت: ۶۸-۶۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کسی دین پر نہیں جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور اللہ کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں لیکن ان کی حالت تو یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآن اترتا ہے' یہ لوگ سرکشی اور کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ پس اے نبیؐ تو ان کافروں کے لئے حسرت وافسوس کر کے کیوں اپنی جان کو روگ لگاتا ہے۔ صابی' نصرانیوں اور مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں کو بھی۔ علاوہ ازیں ایک اور گروہ تھا' یہود اور نصاریٰ دونوں مثل مجوسیوں کے تھے۔

قتادہؒ کہتے ہیں' یہ زبور پڑھتے تھے۔ غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہبؒ فرماتے ہیں' اللہ کو پہچانتے تھے' اپنی شریعت کے حامل تھے' ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی' یہ عراق کے متصل آباد تھے' بلوثا کہے جاتے تھے' نبیوں کو مانتے تھے' ہر سال میں تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کر کے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ اس کے سوا اور قول بھی ہیں چونکہ پہلے دو جملوں کے بعد ان کا ذکر آیا تھا' اس لئے رفع کے ساتھ عطف ڈالا۔

ان تمام لوگوں سے جناب باری فرماتا ہے کہ ''امن وامان والے بے ڈر اور بے خوف وہ ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر سچا ایمان رکھیں اور نیک اعمال کریں اور یہ ناممکن ہے' جب تک اس آخری رسول ﷺ پر ایمان نہ ہو جو کہ تمام جن وانس کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پس آپ پر ایمان لانے والے آنے والی زندگی کے خطرات سے بے خوف ہیں اور یہاں چھوڑ کر جانے والی چیزوں کی انہیں کوئی تمنا اور حسرت نہیں۔'' سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس جملے کے مفصل معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ
كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا
كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا
كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

ہم نے بالیقین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا' جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشاء کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تو تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا ○ اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی سزا نہ ہو گی۔ پس اندھے' بہرے بن بیٹھے۔ پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا۔ اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر اندھے' بہرے ہو گئے۔ اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے ○

سیاہ عمل یہود اور نصاریٰ: ☆☆ (آیت: ۷۰-۷۱) اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ سے وعدے لئے تھے کہ وہ اللہ کے احکام کے عامل اور وحی کے پابند رہیں گے۔ لیکن انہوں نے وہ میثاق توڑ دیا۔ اپنی رائے اور خواہش کے پیچھے لگ گئے' کتاب اللہ کی جو بات ان کی منشاء اور رائے کے مطابق تھی' مان لی۔ جس میں اختلاف نظر آیا ترک کر دی' نہ صرف اتنا ہی کیا بلکہ رسولوں کے مخالف ہو کر بہت سے رسولوں کو جھوٹا بتایا اور بہتیروں کو قتل بھی کر دیا کیونکہ ان کے لائے ہوئے احکام ان کی رائے اور قیاس کے خلاف تھے۔ اتنے بڑے گناہ کے بعد بھی بے فکر ہو کر بیٹھے رہے اور سمجھ لیا کہ ہمیں کوئی سزا نہ ہو گی لیکن انہیں زبردست روحانی سزا دی گئی یعنی وہ حق سے دور پھینک

دیئے گئے اور اس سے اندھے اور بہرے بنا دیئے گئے' نہ حق کو سنیں اور نہ ہدایت کو دیکھ سکیں لیکن پھر بھی اللہ نے ان پر مہربانی کی' افسوس اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر حق سے نابینا اور حق کے سننے سے محروم ہی ہو گئے۔ اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿72﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے' اللہ اس پر قطعاً جنت کو حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے' گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ○ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے' دراصل سوا ایک اللہ کے اور کوئی معبود نہیں' اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر ہیں انہیں المناک عذاب ضرور پہنچیں گے ○

خود ساختہ معبود بنانا ناقابل معافی جرم ہے: ☆☆ (آیت: ۷۲-۷۳) نصرانیوں کے فرقوں کی یعنی ملکیہ' یعقوبیہ' نسطوریہ کے کفر کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مسیح ہی کو اللہ کہتے ہیں اور مانتے ہیں۔ اللہ ان کے قول سے پاک' منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو اللہ کے غلام تھے۔ سب سے پہلا کلمہ ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں ہی یہ تھا کہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ میں اللہ کا غلام ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی کا اقرار کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرتے رہو' سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی بات اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہی کہ اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہو گا کہ یہ دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ منادی کے مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان و اسلام والے ہی جائیں گے۔ سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ' کی تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کر دی گئی ہے جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں جس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ نے کبھی نہیں بخشا اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ہے۔ حضرت مسیح نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرما دیا کہ ایسے ناانصاف مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہو گا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ کو تین میں سے ایک مانتے تھے' یہودی حضرت عزیرؑ کو اور نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ کو تین میں کا ایک مانتے تھے' لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے۔ وہ باپ بیٹا اور اس کلمے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا' اللہ مانتے تھے۔ پھر ان تینوں کے مقرر کرنے میں بھی بہت بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ سبھی کافر تھے۔ حضرت مسیحؑ کو اور ان کی ماں کو اور اللہ کو ملا کر اللہ مانتے تھے۔ اسی کا بیان اس سورت کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے فرمائے گا' کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ مانو؟ وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور اپنی لاعلمی اور بے گناہی ظاہر کریں گے۔ زیادہ ظاہر قول بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ دراصل لائق عبادت سوائے اس ذات واحد کے اور کوئی نہیں۔ تمام کائنات اور کل موجودات کا معبود برحق وہی ہے۔ اگر یہ اپنے اس کافرانہ نظریہ سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذابوں کا شکار ہوں گے۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾

یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے ○ مسیح بن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں اس سے پہلے بھی بہت پیغمبر ہو چکے ہیں' اس کی ماں ایک ذکیہ عورت تھیں' دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے دیکھ تو کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے جاتے ہیں پھر غور کر لے کہ کس طرح پلٹائے جاتے ہیں ○

(آیت: ۷۴-۷۵) پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم و جود کو' بخشش و انعام اور لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم' اتنی اشد بے حیائی اور کذب و افترا کے' انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ' ابھی سب معاف فرما دوں گا اور دامن رحمت تلے لے لوں گا۔ حضرت مسیحؑ اللہ کے بندے اور رسول ہی تھے' ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں۔ جیسے فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ الخ' وہ ہمارے ایک غلام ہی تھے۔ ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی اور بنی اسرائیل کے لئے قدرت کی ایک نشانی بنائی۔ والدہ عیسیٰ مومنہ اور سچ کہنے والی تھیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ نبیہ نہ تھیں کیونکہ یہ مقام وصف ہے تو بہترین وصف جو آپ کا تھا' وہ بیان کر دیا' اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقعہ پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا۔ ابن حزمؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ ام اسحاقؑ اور ام موسیٰؑ اور ام عیسیٰؑ نبیہ تھیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰؑ کی نسبت فرمان ہے وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰى الخ' ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو انہیں دودھ پلا۔ لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں ہی رہی۔ جیسے قرآن کا فرمان ہے وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا الخ' تجھ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں سے مردوں ہی کی طرف رسالت انعام فرمائی ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعریؒ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے کہ جو اندر جائے گا' وہ باہر بھی آئے

گا- پس ثابت ہوا کہ وہ بھی مثل اوروں کے بندے ہی تھے' اللہ کی صفات ان میں نہ تھیں- دیکھ تو ہم کس طرح کھول کھول کر ان کے سامنے اپنی حجتیں پیش کر رہے ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھ کہ باوجود اس کے یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں؟ کیسے گمراہ مذہب قبول کر رہے ہیں؟ اور کیسے ردی اور بے دلیل اقوال کو گرہ میں باندھے ہوئے ہیں؟

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا
اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا
وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ ع ۱۱

کہہ دے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک نہ کسی نفع کے- اللہ ہی ہے خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ○ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں ○

معبودان باطل: ☆☆ (آیت: ۷۶-۷۷) معبودان باطل کی جو اللہ کے سوا ہیں' عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی اور نفع کے پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے' آخر تم کیوں انہیں پوجے چلے جا رہے ہو؟ تمام باتوں کے سننے والے' تمام چیزوں سے باخبر اللہ سے ہٹ کر بے سمع و بصر' بے ضرر و بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کون سی عقلمندی ہے؟ اے اہل کتاب اتباع حق کی حدوں سے آگے نہ بڑھو- جس کی توقیر کرنے کا جتنا حکم ہوا' اتنی ہی اس کی توقیر کرو- انسانوں کو جنہیں اللہ نے نبوت دی ہے' نبوت کے درجے سے معبود تک نہ پہنچاؤ- جیسے کہ تم جناب مسیحؑ کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی اور کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیروں' مرشدوں استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو- وہ تو خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں- استقامت اور عدل کے راستے کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گزر گیا- ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہوئے عرصہ ہو گیا ہے-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں بڑا پابند دین حق تھا- ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے' وہی تم بھی کر رہے ہو- اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو لوگوں میں تمہاری قدر ہو گی نہ شہرت' تمہیں چاہئے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو' اسے لوگوں میں پھیلاؤ- پھر دیکھو کہ کیسی شہرت ہوتی ہے؟ اور کس طرح جگہ بہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے' چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا- اس کی بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا- اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی- سلطنت و ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں اللہ کی عبادتوں میں مشغول ہو گیا لیکن اللہ کی طرف سے اسے جواب ملا کہ میری خطا ہی صرف کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا لیکن تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا- جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے- ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ٹلے گا؟ میں تو تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا- پس ایسوں ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے-

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے ○ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں کے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے' جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا ○ ان میں کے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں' جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہے' وہ بہت برا ہے۔ اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ○ اگر انہیں اللہ پر اور نبی پر جو نازل کیا گیا ہے' اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

امر معروف سے گریز کا انجام: ☆☆ (آیت: ٧٨-٨١) ارشاد ہے کہ بنو اسرائیل کے کافر پرانے ملعون ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی انہی کے زمانہ میں ملعون قرار پا چکے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان تھے اور مخلوق پر ظالم تھے۔ توریت' انجیل' زبور اور قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی آئیں۔ یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کے برے کاموں کو دیکھتے تھے لیکن چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے' حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے اور کوئی کسی کو روکتا نہ تھا۔ یہ تھا ان کا بدترین فعل۔ مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ ''بنو اسرائیل میں پہلے پہل جب گناہوں کا سلسلہ چلا تو ان کے علماء نے انہیں روکا۔ لیکن جب دیکھا کہ باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں الگ نہیں کیا بلکہ انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے رہے جس کی وجہ سے دونوں گروہوں کے دلوں کو آپس میں ٹکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے دل بھڑا دیئے اور حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان پر اپنی لعنت نازل فرمائی۔ کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم تھے۔ اس کے بیان کے وقت حضورؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا ''نہیں نہیں اللہ کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع باتوں سے روکو اور انہیں شریعت کی پابندی پر لاؤ''۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ''سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا' اسے کہتا کہ اللہ سے ڈر اور اس برے کام کو چھوڑ دے' یہ حرام ہے۔ لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوالہ ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا' اس وجہ سے سب میں ہی سنگدلی آ گئی۔ پھر آپ نے اس پوری آیت کی تلاوت کر کے فرمایا'' واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں کا ہر ایک کو حکم کرو' برائیوں سے روکو' ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ

کرو کہ حق پر آجائے'' - ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے-

ابوداؤد وغیرہ میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دے گا اور تم پر اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا جیسی ان پر نازل فرمائی - اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں - کچھ سن بھی لیجئے -

حضرت جابر والی حدیث تو آیت لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ الخ کی تفسیر میں گزر چکی اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوثعلبہؓ کی حدیثیں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ - مسند اور ترمذی میں ہے کہ یا ''تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے گا - پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا'' - ابن ماجہ میں ہے ''اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو - اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں'' - صحیح حدیث میں ہے ''تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے' اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اور یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے'' - (مسلم)

مسند احمد میں ہے ''اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں' اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے'' - ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ اللہ کی نافرمانی ہونی شروع ہو' وہاں جو بھی ہو' ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو (ایک اور روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو) وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو گو وہاں موجود نہ ہو - وہ ایسا ہے گویا ان میں حاضر ہے - ابوداؤد میں ہے لوگوں کے عذر جب تک ختم نہ ہو جائیں' وہ ہلاک نہ ہوں گے - ابن ماجہ میں ہے' حضورؐ نے اپنے خطبے میں فرمایا' خبردار کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے روک نہ دے - اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوسعید خدریؓ رو پڑے اور فرمانے لگے افسوس ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی ہیبت مان لی - ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے' افضل جہاد کلمہ حق ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے -

ابن ماجہ میں ہے کہ جمرۂ اولیٰ کے پاس حضورؐ کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ سے سوال کیا کہ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ خاموش رہے - پھر آپ جمرۂ ثانیہ پر آئے تو اس نے پھر وہی سوال کیا مگر آپ خاموش رہے' جب جمرۂ عقبہ پر کنکر مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا' حضورؐ میں حاضر ہوں' فرمایا حق بات ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا - ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہئے - لوگوں نے پوچھا؟ حضور یہ کیسے؟ فرمایا خلاف شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ فلاں موقعے پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے' تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں سب سے زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے خوف کھائے - ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تلقین حجت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے امید رکھی اور لوگوں سے خوف کھا گیا - مسند احمد ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تئیں ذلیل نہ کرنا چاہئے' لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان بلاؤں کو سر پر لینا جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو - ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ سے سوال کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں بھی وہی خرابی ہو جائے جو تم سے اگلوں میں ظاہر ہوئی تھی - ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کمینے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا - بڑے آدمیوں میں بدکاری کا آ جانا' رذیلوں میں علم کا آ جانا - حضرت زیدؓ کہتے ہیں' رذیلوں میں علم آ جانے سے مراد فاسقوں میں علم کا آ جانا ہے - اس حدیث کی شاہد حدیثیں ابوثعلبہؓ کی روایت سے آیت لایضرکم کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ -

پھر فرماتا ہے کہ اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں- ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لئے برا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے- اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اور اسی بناء پر اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن کے لئے دائمی عذاب بھی ان کے لئے آگے آ رہے ہیں- ابن ابی حاتم میں ہے اے مسلمانو! زنا کاری سے بچو' اس سے چھ برائیاں آتی ہیں' تین دنیا میں اور تین آخرت میں- اس سے عزت و وقار' رونق و تازگی جاتی رہتی ہے- اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے' اس سے عمر گھٹتی ہے اور قیامت کے دن تین برائیاں یہ ہیں- اللہ کا غضب' حساب کی سختی اور برائی اور جہنم کا خلود- پھر حضورؐ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی' یہ حدیث ضعیف ہے- واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ پر' اس کے رسول ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ چھپا کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے- نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے' دراصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں' اس کی وحی اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں-

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ
وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ
وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تو یقیناً انہیں پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں- یہ اس لئے کہ ان میں دانشمند اور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ○

یہودیوں کا تاریخی کردار: ☆☆ (آیت:۸۲) یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں- جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں- یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینے میں اتری ہیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے- یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپؐ سے ملیں' حاضر خدمت ہو کر آپؐ کے حالات و صفات دیکھیں اور آپؐ کا کلام سنیں- جب یہ آئے' آپؐ سے ملے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے- بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا- نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضورؐ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے میں ہی انتقال ہو گیا- یہاں بھی یہ خیال رہے کہ یہ بیان صرف سدی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے اور صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے- ان کے انتقال والے دن ہی حضورؐ نے صحابہؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی-

بعض تو کہتے ہیں' اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے یا پانچ علماء اور سات زاہد تھے- بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے' اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ اوپر تھے- ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے- فاللہ اعلم- حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جن

کے اوصاف آیت میں بیان کئے گئے ہیں' یہ اہل حبشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے۔

امام ابن جریرؒ کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا کہیں کے۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پر اڑتے ہیں۔ حق کے مقابلہ میں بگڑ بیٹھتے ہیں حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں۔ ان سے بغض و بیر رکھتے ہیں۔ علم سے کورے ہیں۔ علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں۔ یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا خود پیغمبر الزماں احمد مجتبیٰ حضرت محمد ﷺ کے قتل کا ارادہ بھی کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار آپ کو زہر دیا آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضورؐ پر حملے کئے لیکن اللہ نے ہر مرتبہ انہیں نامراد و ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے' اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن ہے بہت ہی غریب۔ ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں۔ انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں۔ ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے۔ یہ اس لئے کہ ان میں نرم دلی ہے جیسے ارشاد باری ہے وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً الخ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں گال بھی پیش کر دے۔ ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔ یہاں ان کی اس دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں۔ قِسِّيْنٌ اور قِسٌّ کی جمع قِسِّيْسِيْنَ ہے قُسُوْسٌ بھی اس کی جمع آتی ہے رهبان جمع ہے راہب کی' راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہے رہب سے اور رہبت کے معنی ہیں خوف اور ڈر کے۔ جیسے راکب کی جمع رکبان ہے اور فرسان ہے امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' کبھی رُهْبَان واحد کے لئے آتا ہے اور اس کی جمع رَهَابِيْنَ آتی ہے جیسے قُرْبَان اور قَرَابِيْن اور جَوْزَان اور جَوَازِيْن اور کبھی اس کی جمع رَهَابِنَه بھی آتی ہے عرب کے اشعار میں بھی لفظ رہبان واحد کے لئے آیا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں قِسِّيْسِيْنَ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ۔ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے صِدِّيْقِيْنَ وَ رُهْبَانًا پڑھایا ہے (بزار اور ابن مردویہ) الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں عالموں کا ہونا ان میں عابدوں کا ہونا ان میں تواضع' فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے محض اس کے فضل و کرم لطف و رحم سے تفسیر محمدی کا چھٹا پارہ بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہمیں اس سے دونوں جہان میں فائدہ بخشے۔ آمین!